شازیہ جمال طارق

اپنے کب بھولا کرتے ہیں

digest novels lovers group

درشہوار کو ہمیشہ سے لگتا تھا اس کے رشتے اس کی سب سے بڑی طاقت ہیں، اس کا مان، اس کی ڈھال، اس کے لیے چھپر چھاؤں، ضرورتیں تو بنا کہے پوری ہو جاتیں لیکن اپنی چھوٹی بڑی خواہشات بھی وہ ان سے منوا ہی لیتی، کبھی پاؤں پٹخ کر کبھی رو دھو کر اور کبھی بھوک ہڑتال کر کے۔

لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ ایک دن یہی رشتے اس کی سب سے بڑی کمزوری بن جائیں گے۔ ان کی محبت کے آگے وہ اتنی مجبور ہو جائے گی کہ ایک ان چاہے فیصلے کے لیے اپنا سر جھکا دے گی۔

مکمل ناول

کچھ دن پہلے تک سب ٹھیک تھا۔ اگر ٹھیک نہ بھی ہوتا تو اسے پروا نہیں تھی۔ اس کی رنگوں سے کھیلنے کی عمر تھی۔ بے فکری کی خوش نما تتلی کے رنگ اپنی پوروں پر اترتے دیکھ کر خوش ہوتی زندگی کے سیاہ، کڑوے، کسیلے رنگوں سے نا آشنا رہی تھی۔

لیکن اچانک بے فکری کی وہ تتلی اپنے خوشنما پر سمیٹ کر کہیں دور اڑان بھر گئی۔ اس کی پوروں پر اترتے رنگ آہستہ آہستہ معدوم ہوتے غائب ہو گئے۔ وہ شوخیاں، وہ شرارتیں کسی اڑن کھٹولے میں سوار دور دیس سدھار گئیں۔ زندگی کا نیا روپ دیکھ کر وہ ششدر سی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

جولائی کے حبس زدہ چپچپے سے دن تھے۔ موسون بارشوں نے ہر طرف جل تھل سی کر دی تھی۔ لیکن جیسے ہی بارش رکتی، ہوا دم سادھ لیتی۔

پیڑ، پودے، بچے سب ساکن، اوپر سے مچھروں کی یلغار دھاوا بولنے کو ہر دم تیار، مکھیاں صاف جگہ پر بھی یوں ٹوٹ پڑتیں جیسے وہاں کسی نے شیرہ گھول کر پھیلا دیا ہو۔ ہر طرف نمی، سیلن کی عجیب سی بساند، شہوار کو یہ موسم سخت برا لگتا۔

"نجانے لوگوں کو اس ساون میں کیا چارم نظر آتا ہے؟" کوفت کے مارے دوپٹے کے پلو سے چہرے کا پسینہ پونچھتے اس نے کڑھ کر سوچا۔ لائٹ چلی گئی تھی، وہ چھت پر ادھ کھلے پنکھے کو گھورتی کمرے سے باہر نکل آئی۔

بارش تھم گئی تھی۔ اکا دکا بوندیں پڑ رہی تھیں۔ ایسے میں کچن سے اٹھتی پکوڑوں کی اشتہا انگیز مہک، وہ صحن میں کہیں کہیں جمع شدہ بارش کے پانی کو پھلانگتی کچن میں آ گئی۔

محبت برسا دے نا تم ساون آیا ہے
تیرے اور میرے ملنے کا موسم آیا ہے

وہ صدف بہت مگن انداز میں گنگناتی پکوڑے تل رہی تھی۔

"آپا! آج آپ نے کیسے کچن کو رونق بخش دی؟" اس نے ایک گرم گرم پکوڑا اٹھاتے ہوئے شرارت سے صدف سے پوچھا۔

"ساون پکوڑوں اور چائے کے بغیر ادھورا ہے۔" صدف نے احتیاط سے پکوڑے نکالتے ہوئے پلیٹ میں رکھے۔ اسی وقت شہوار نے کچن کی کھلی کھڑکی سے سبکتگین کو دادی کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔ وہ شرارت سے مسکرائی۔

"یوں کہو نا دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ تمہارے دل نے تمہیں پہلے ہی سبکتگین بھائی کی آمد کے بارے میں گرین سگنل دے دیا تھا۔ ہے نا؟"

صدف نے اسے گھورا۔ "فضول مت بولا کرو۔"

"لو خوامخواہ اس میں کیا فضول بات ہے؟ مجھے تو لگتا ہے وہ یہاں آتے ہی تمہارے لیے ہیں۔ دادی بے چاری ایویں خوش ہوتی رہتی ہیں کہ نواسا اپنی ڈھیر ساری مصروفیات چھوڑ کر ان کی محبت میں دوڑا چلا آتا ہے۔ ہائے میری معصوم دادی......"

ایک اور پکوڑا منہ میں رکھتے ہوئے شہوار نے اسے کہنی ماری۔

"پاگل تو نہیں ہو گئی ہو؟ ابھی گرم تیل میرے ہاتھوں پر گر جاتا......"

کفگیر دوسری پلیٹ میں پٹختے صدف نے بھنا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"سوری...... میں تو...... میں......" شہوار کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے اتنا غصہ کس بات پر آیا ہے؟ خوب صورت چہرے پر ناگواری کے تاثرات لیے، باقی ماندہ پکوڑے پلیٹ میں نکال کر اس نے بے زاری سے چولہا بند کر دیا۔

"اب ایسے کیوں کھڑی ہو؟ پکوڑے اٹھاؤ اور اندر دے آؤ سب کو۔"

دوپٹے کے پلو سے پسینہ پونچھتی وہ باہر نکل گئی تھی۔ شہوار نے لمحہ بھر کے لیے اس کے اچانک سے بگڑتے خراب موڈ کی وجہ سوچنا چاہی پھر پلیٹ اٹھا کر دادی کے کمرے میں آ گئی۔ جہاں سبکتگین ماں کی خراب طبیعت کے بارے میں دادی کو تفصیل سے بتا رہا تھا۔ شوگر، بلڈ پریشر اور اب یہ مواد دل......

دادی کے چہرے پر تفکر کے گہرے سائے منڈلانے لگے تھے۔ بیٹی کی خراب طبیعت کا سن کر دل کی بے چینی حد سے سوا ہو گئی۔

"شام کو چلیں گے اماں! ثریا آپا کی طرف۔" بہو کے کہنے پر انہوں نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"السلام علیکم سبکتگین بھائی!" شہوار نے اندر آتے ہوئے زوردار سلام جھاڑا تھا۔ سبکتگین نے سر کو ہلکا سا خم دے کر جواب دیا۔

"بڑے اچھے وقت پر آئے ہیں۔ پکوڑے کھائیں اور اس چپچپے، حبس زدہ ساون کا مزہ دوبالا کریں۔"

اس نے پلیٹ درمیانی میز پر رکھ دی۔ پھر قدرے رازدارانہ انداز میں بولی۔

"صدف نے بنائے ہیں۔"

سبکتگین نے بنا کسی تاثر کے پکوڑا اٹھا کر منہ میں رکھا۔ شہوار جی بھر کے بدمزہ ہوئی۔

''سٹریل نہ ہو تو، بندہ اپنی منگیتر کے ذکر پر تھوڑا سا مسکرا ہی دیتا ہے۔''

وہ منہ بناتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ کچن میں جا کر ابا کے لیے الگ سے نکالے گئے پکوڑوں کی پلیٹ اٹھا کر ان کے کمرے میں چلی آئی تھی۔ ابا وہیل چیئر پر بیٹھے بیٹھے نجانے کب سو گئے تھے۔

ابا ریلوے کے محکمے میں ملازم تھے۔ ان کے بھلے چنگے زندگی سے بھرپور ابا کی پوری ہستی کو، اس بھیانک روڈ ایکسیڈنٹ نے ہلا کر رکھ دیا تھا۔

جان تو بچ گئی لیکن دونوں ٹانگوں سے معذوری انہیں وہیل چیئر پر لے آئی تھی۔

ابا کی جگہ پر کاشف کو بھرتی کرلیا گیا تھا۔ یوں زندگی کا پہیہ ایک بار پھر رواں دواں ہو گیا تھا۔ ابا مشکل سے ہی سہی زندگی کی طرف لوٹ آئے تھے۔

ان کے قریب میز پر پکوڑے ڈھک کر رکھتی وہ بالکنی میں آگئی۔ گیلری کی کھڑکیاں کھولیں تو ننھی منی بوندوں سے لبریز ہوا کا جھونکا اسے گدگدانے پر مجبور کر گیا تھا۔

''ساون اتنا بھی برا نہیں ہے۔''

بارش کے پانی سے لبالب بھرے آب خوروں میں چونچیں مارتی بھوری چڑیوں کو دیکھ کر اس نے مسکراتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

''بارش ہو رہی ہے؟'' ابا نے کھلی کھڑکی کے پار جھانکا۔

''اب تو رک بھی گئی ابا!'' شہوار نے پیچھے سے آکر ان کی وہیل چیئر تھامی۔

''میں آئی تھی آپ کو دیکھنے آپ سو رہے تھے۔''

آہستگی سے وہیل چیئر گھماتی وہ انہیں باہر لے آئی تھی۔ انہیں تازہ چائے کا کپ بنا کر دیا۔ اماں نے آلو گوشت کا گاڑھے شوربے والا سالن بنایا تو ایک کٹورے میں، سویرا پھپھو کے لیے بھی نکال لیا اور سبکتگین کے لیے سوجی کا حلوہ، اسے بہت پسند تھا۔

دادی ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی اپنے تخت پر ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئیں۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' ابا نے پوچھا۔ تو دادی انہیں پھپھو کی خراب طبیعت کا بتانے لگیں۔ ابا کے چہرے پر دکھ ہلکورے لینے لگا تھا۔ مطلقہ بہن کی تکلیف کا سن کر وہ یوں ہی تڑپ اٹھتے تھے۔ وہ ابا کو بہت عزیز تھیں۔ شہوار آج تک اندازہ نہیں لگا پائی تھی کہ پھپھو ابا پر زیادہ مرتی تھیں یا ابا پھپھو پر زیادہ جان چھڑکتے تھے۔

وہ چادر لینے کے لیے اپنے کمرے میں آئی تو صدف کل کے لیے اپنا سوٹ استری کر رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ سے موبائل کان سے لگائے کسی سے بات کرتے کرتے بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔ شہوار کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ کچن والی صدف سے بالکل مختلف مطمئن، سرشار...... شہوار پر نگاہ پڑی تو ہوں۔ ہاں میں بات کرنے کے بعد موبائل رکھ دیا۔

''ہم پھپھو کی طرف جارہے ہیں، ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تم چلو گی؟'' الماری سے چادر نکالتے ہوئے شہوار نے پوچھا۔

''میں کیوں جاؤں گی وہاں؟''

''ہاں تم تو اب ایک ہی دفعہ جاؤ گی وہاں، رخصت ہو کر۔''

صدف بنا کوئی جواب دیے جما جما کر اپنا سوٹ استری کرتی رہی۔ شہوار چادر اوڑھتی باہر آگئی۔ اماں اور دادی بیرونی دروازے کے پاس کھڑی اسی کا انتظار کر رہی تھیں۔

ناظم صاحب کی مہربانی کے طفیل کچھ عرصے پہلے ٹف ٹائل لگا کر ان کی گلی کی از سر نو مرمت کی گئی تھی۔ اب بارش کا پانی ٹھہرتا نہیں تھا۔ لیکن پھپھو کی گلی کا موڑ مڑتے ہی صورت حال بدل گئی۔ گلی میں جگہ جگہ چھوٹے گندے پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ ابلتی نالیوں سے اٹھتا تعفن...... شہوار نے بے ساختہ دوپٹے کا پلو ناک پر رکھ لیا۔

"کاشف کا انتظار کرلیتیں اماں۔ وہ بائیک پر آپ کو چھوڑ آتا۔ اب کیسے اتنے فاصلے پر کیچڑ میں رکھی اینٹوں پر قدم رکھ کر جائیں گی؟"

اماں نے تشویش سے پیچھے مڑ کر دادی سے کہا تو وہ جھلا کر بولیں۔

"بائیک پر بھی جانے کا بھلا کہاں راستہ ہے۔ راستے میں پھسل کر گر گر اجاتی تو اور مصیبت....."

شہوار نے مضبوطی سے دادی کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ پھپھو کے دروازے پر پہنچنے تک انہیں دانتوں پسینہ آگیا۔ دادی نے ہانپتے کانپتے اندر قدم رکھا۔ سامنے ہی صحن میں تخت پر چت لیٹی بچی پر نگاہ پڑی تو دل کٹ کر رہ گیا۔

وہ انہیں دیکھ کر فوراً اٹھی تھیں۔

"اماں! آپ لوگوں نے کیوں تکلیف کی۔ ایسے موسم میں..... اوپر سے راستہ بھی خراب تھا۔

میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔" چہرے پر کھنڈی زردی صاف بتا رہی تھی وہ کتنا ٹھیک تھیں۔

شہوار نے سب سے پہلے صحن میں ایک طرف بنے کمرے میں جا کر اپنے پاؤں دھوئے تھے۔

"توبہ پھپھو! آپ کی گلی نے تو ہمارے پسینے نکال دیے۔"

گیلے پائنچے جھٹک کر نیچے کرتی وہ تخت پر ان کے قریب آ بیٹھی تھی۔

"ناظم صاحب نے اس طرف سے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں کیا؟"

"سبگلین بتا رہا تھا ناظم کا پٹواری سے کوئی جھگڑا ہو گیا ہے اس لیے جان بوجھ کر نہیں بنوا رہا یہ گلی....."

پھپھو بتانے لگیں آواز سے نقاہت نمایاں تھی۔

"ووٹ مانگنے تو کیسے دوڑے چلے آتے ہیں۔" دادی نے دونوں پاؤں اوپر کر لیے تھے۔

"میرا تو دل چاہ رہا تھا آپ کی گلی کی ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر وائرل کر دوں۔"

شہوار کے تپ کر کہنے پر پھپھو خفیف سا ہنس دی۔

"سبگلین کہاں ہے؟" اماں کچن میں کھانے کے ڈبے رکھ کر آئیں تو پوچھنے لگیں۔

"شام میں ایک کوچنگ سینٹر میں پڑھانے جاتا ہے۔" بیٹے کے ذکر پر ان کے زرد چہرے پر جیسے ایک ساتھ کئی سرسوں کے پھول کھل اٹھے تھے۔

شہوار کی نظر اب صحن میں بارش اور ہوا سے گری ڈھیر ساری جامنوں پر پڑی تھی۔ وہ کچن سے ٹوکری اٹھا لائی اور ایک ایک کر کے چننے لگی۔

"اف اللہ! اتنی میٹھی اور ڈھیر ساری جامنیں۔ میں یہاں ہوتی تو پورے محلے میں بانٹ کر مفت کا ثواب کماتی ہے۔"

اس کا بآواز بلند پُرجوش سا تبصرہ بیرونی دروازے سے اندر آتے سبگلین کے کانوں تک بھی پہنچ گیا تھا۔

"یہ نیک کام تم اب بھی کر سکتی ہو۔"

"مٹھی بھر جامنیں ٹوکری میں ڈالتے شہوار نے اسے دیکھا پھر مسکراہٹ دباتی بولی۔

"جب صدف یہاں آجائے گی تو وہ اور میں مل کر کریں گے۔"

سبگلین آگے بڑھ گیا تھا وہ ٹوکری اٹھا کر جامن دھونے کی غرض سے واش بیسن کی طرف آگئی۔

☆☆☆

برآمدے میں کھڑی بائیک کاشف کی گھر واپسی کا بتا رہی تھی۔

آسمان ابھی بھی گہرے کالے بادلوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ بارشوں کی وجہ سے پورے شہر میں ریل گاڑیوں کی آمد و رفت کا شیڈول بری طرح متاثر ہوا تھا۔

اس لیے اس کی گھر واپسی کا ان دنوں کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں رہا تھا۔ ابا کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

شہوار اندر آئی تو صدف دونوں ٹانگیں سیدھی کیے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے "پہناوا" بوتیک کے

نئے جاری کردہ میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی۔
"پوچھوگی نہیں وہاں کا؟"
شہوار نے اپنے سنگل بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اسے دیکھا۔
"نہیں۔" صدف نے بغیر نگاہیں اٹھائے مختصراً بولی۔ "کیونکہ میں جانتی ہوں تم ویسے ہی بتادوگی۔"
"اور اگر نہ بتاؤں تو؟"
"تو پھر تمہاری مرضی۔" صدف نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ شہوار چڑ گئی۔
"تم ایسی کیوں ہوتی جارہی ہو صدف؟"
"کیسی؟" کمال کا تجاہل عارفانہ برتا گیا۔
"جیسی پہلے نہیں تھیں۔" شہوار نے بے دھڑک کہہ دیا۔

صدف اس وقت بی ایس سی کے سال اول میں تھی جب روڈ ایکسیڈنٹ میں ابا کی دونوں ٹانگیں چلی گئیں۔ گھر میں ہر وقت سوگواریت کی فضا چھائی رہتی۔ ایسے میں اس کا دل پڑھائی سے اچاٹ ہو گیا۔

وہ ایک دلکش شخصیت کی مالک تھی۔ ہمیشہ اپ ٹو ڈیٹ رہتی۔ اس کی کالج کی بہترین دوست نایاب نے اپنی آنٹی زرقا سے سفارش کرکے ان کے بوتیک "پہناوا" میں اسے جاب دلوائی۔ معقول تنخواہ تھی۔ کام بھی صدف کی طبیعت سے میل کھاتا تھا۔ اس نے بہت جلدی ایڈجسٹ کرلیا تھا۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔

لیکن اب کچھ عرصے سے اس کے بدلے بدلے تیور شہوار کو تشویش میں مبتلا کر گئے تھے۔ بظاہر کوئی قابل گرفت بات نہیں تھی۔ لیکن کچھ ایسا ضرور بدلا تھا۔ جس نے شہوار کو چونکا دیا۔ لیکن کیا؟ یہ وہ سمجھ نہیں پارہی تھی۔ صدف دن بہ دن ایک پہیلی بنتی جارہی تھی۔

موبائل پر میسج کی ٹون بجی تو وہ جھٹ اسکرین پر انگلی پھیرتی دلکشی سے مسکرادی، گویا اس وقت وہ خود سے ذرا فاصلے پر بیٹھی شہوار کی موجودگی سے بھی غافل ہوگئی تھی۔

شہوار نے گہری سانس کھینچتے اپنے کندھوں سے ذرا نیچے آئے گھنگھریالے بالوں کو سفید نقطوں والی سیاہ ہیئر پنی سے آزاد کیا اور منہ تک چادر تان کر چت لیٹ گئی۔

☆☆☆

"یہ کیا ہے سر؟"
سبکتگین نے اپنے ہاتھ میں تھمائے نوٹ ایک بار پھر گنے۔ "نو ہزار چالیس روپے؟"
"ایک ماہ کے پندرہ ہزار بنتے تھے سر!" اسے لگا شاید ادھیڑ عمر پروفیسر شکیل سے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اس کی بات پر وہ ہنس پڑے۔
"برخوردار! اس ایک مہینے میں تم نے چار چھٹیاں کیں، دو ہاف لیو اور ایک بار......"
وہ گہری سانس بھرتا سیدھا ہوا۔ پروفیسر شکیل اسے ان پندرہ ہزار میں سے کی جانے والی کٹوتیوں کے بارے میں بتانے لگے تھے۔
"تمہارے ساتھ برتی جانے والی نرمی کے پیچھے سب سے بڑی وجہ طلبا کی اکثریت کا تمہارے پڑھانے کے انداز سے مطمئن ہونا ہے۔ ورنہ ہمارا ادارہ اتنی بے قاعدگیاں برداشت کرنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔"

وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آیا تھا۔ مجبوریاں انسان کو شاید اسی طرح لاجواب کردیتی ہیں۔ راستے میں پڑا ایک کنکر زور سے پاؤں کی ٹھوکر مار کر دور اچھالا تھا۔ سڑک کے دونوں اطراف جلتی اسٹریٹ پولز کی روشنیاں رات اترنے کا اشارہ دے رہی تھیں۔ شام باسی ہوکر سنہواڑے مغرب کی گود میں سر رکھے سوگئی۔

اس نے اپنی روٹ پر جانے والی بس کا ہارن سن کر نظر انداز کردیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ کسی سیدھ میں بس یونہی چلتا چلا جائے۔ اگر گھر میں اکیلی بیمار ماں کا خیال نہ ہوتا تو شاید وہ اپنی سوچ کو عملی جامہ پہناتا، لیکن ماں کا خیال آتے ہی وہ قریب ترین میڈیکل اسٹور کی طرف بھاگا تھا۔

دوائیوں کا شاپر تھامے اب وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اپنے گھر کے راستوں پر گامزن تھا۔ آسمان ہنوز بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اس کے گھر پہنچنے تک بوندیں پڑنا شروع ہو گئیں۔

"آج بہت دیر کر دی بیٹا؟"

اس کے انتظار میں جاگتی اماں اسے آتا دیکھ کر فوراً کھانا گرم کرنے لگی تھیں۔

"جی اماں اکوچنگ سے نکلتے نکلتے دیر ہو گئی۔" گیلے ہاتھ تولیے سے پونچھتا وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اماں نے سامنے چھوٹی میز پر کھانا چن دیا۔ آلو گوشت کا مسالے والا سالن، رائتہ، سلاد، سوجی کا حلوہ....

"ممانی کو منع کر دیں آپ، وہ کیوں بھیجتی ہیں یہ سب کچھ؟"

اس کی کشادہ پیشانی پر ناگواری ابھر آئی تھی۔

"نہ ہم کسی کو خود سے محبت کرنے سے کیسے روک سکتے ہیں؟" انہوں نے پانی کا گلاس بھر کر اس کے سامنے رکھا۔

"خدا جانے محبت ہے یا احسان؟" وہ کہہ نہ سکا۔ ماں کی دل آزاری کا خیال مانع تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا اماں کو اپنے اکلوتے بھائی اور اس سے وابستہ رشتے اپنے اکلوتے بیٹے سے کم عزیز نہیں تھے۔

کھانا ختم کر کے وہ اماں کے کمرے میں آ گیا تھا۔ جب سے ان کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی اس نے ان کے کمرے میں ہی سونا شروع کر دیا تھا۔ انہیں معمول کی دوائیاں کھلا کر سلانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ جاتا۔

اس کا ایم ایس کا فائنل ایئر چل رہا تھا۔ صبح یونیورسٹی، شام کو کوچنگ، پھر رات گئے تک امتحان کی تیاری کرتا۔ بے حد مصروف، مشقت بھری زندگی گزارتے اتنا وقت گزر گیا تھا کہ اسے اب یہ بھی یاد نہیں رہا تھا آخری بار اطمینان سے بیٹھ کر چائے کب پی تھی؟

☆☆☆

شہوار کا ایف ایس سی فرسٹ ٹرم کا رزلٹ گھر میں چھوٹا سا طوفان لے آیا تھا۔

"ناک کٹوا دی ہے اس نے ہم سب کی۔" زور سے کپڑا جھٹک جھٹک کر اپنی موٹر سائیکل کو چمکاتے کاشف کی بات پر اماں نے دہل کر اپنے کلیجے پر ہاتھ رکھ لیا۔

"کیا کر دیا ہے اس نے؟"

"مر مر کر پاس ہوئی ہیں محترمہ۔" کاشف نے اپنی جیب سے اس کا رزلٹ کارڈ نکال کر لہرایا۔

"پاس تو ہو گئی ناں؟" شہوار نے فوراً آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے اپنا رزلٹ کارڈ اچکا تھا۔

"یہ سب اس کی نکمی سہیلیوں کی کمپنی کا اثر ہے۔ جنہیں فلم، ٹی وی اور ڈراموں کو ڈسکس کرنے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔"

"تمہیں جیسے بہت پتا ہے۔"

وہ کاشف سے ڈیڑھ سال ہی چھوٹی تھی۔ اور صدف ان دونوں سے بڑی تھی۔

"بتانے کے لیے یہ کافی ہے؟" کاشف نے اس کے رزلٹ کارڈ کی طرف انگلی کر کے جتایا۔

"بھوا میں تو کہتی ہوں اس کو گھر بٹھا کر کھانا پکانا، سینا پرونا ہی سکھا دو یہ پڑھائی وڑھائی اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایک وہ ہے بے چاری صدف جو اس کی بھاری فیس بھرنے کے لیے خوامخواہ پیسہ لٹائے جا رہی ہے۔"

تخت پر نیم دراز تسبیح کے دانے گراتی دادی کی بات پر وہ خفگی سے انہیں گھورنے لگی۔

"بات پیسوں کی نہیں ہے دادی! اسے اپنے مستقبل کی ذرا فکر نہیں ہے۔ ادٹ پٹانگ کاموں میں اپنا وقت ضائع کرتی ہے۔ پڑھائی کے لیے تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پڑھنے کے لیے تو ساری عمر پڑی ہے ابھی سے کیا ٹینشن لینا۔"

صدف بوتیک جانے کے لیے تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ جاتے جاتے منہ

پھلانگے کھڑی شہوار کو ملامتی نگاہوں سے دیکھا اور بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ عین سامنے کھڑے سبکتگین پر نظر پڑی اس نے بھی اسی وقت اسے نظر اٹھا کر دیکھا۔ صدف نے اپنی نازک رسٹ واچ پر نگاہ دوڑائی اس کے پہلو سے نکل کر باہر چلی گئی۔ گریز کو حیا پر محمول کرتا وہ آگے بڑھا تھا۔

"ارے سبکتگین بیٹا! وہاں کیوں کھڑے ہو؟ اندر آجاؤ نا۔" اماں کی اب اس پر نظر پڑی تھی۔

شہوار کو رونا آنے لگا۔ یقیناً اس کی بے عزتی کا لائیو شو انہوں نے بھی براہ راست ملاحظہ کیا تھا۔ وہ سرخ چہرہ لیے اندر کمرے میں گم ہوگئی۔

اب اس نے شام سے پہلے باہر نہیں نکلنا تھا۔

"نجانے کب ختم ہوگا اس لڑکی کا بچپنا؟"

اماں کی بڑبڑاہٹ دیر تک جاری رہی تھی۔

☆☆☆

صبح مطلع بالکل صاف تھا۔ بادلوں نے کہیں دور رخت سفر باندھ لیا تھا۔ در شہوار نے بے ساختہ دعا مانگی ان کا یہ سفر مزید طویل ہوجائے اور...... کم از کم اگلے دو تین ماہ تک وہ یہاں کا رخ نہ کریں۔

باہر ابا صحن کے ایک طرف کیاری میں اگے پودوں کی کانٹ چھانٹ کر رہے تھے۔ ایک ہاتھ میں کٹر پکڑ رکھا تھا۔ دوسرے سے سہولت سے اپنی وہیل چیئر ادھر ادھر گھماتے اپنے کام میں بے حد مگن لگ رہے تھے۔

"آج کالج نہیں گئیں؟"

ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"اب ایک دن تو بنتا ہے نا سوگ منانے کے لیے؟" کاشف اور اس کی نوک جھونک چلتی رہتی تھی۔ اس نے چڑ کر کچھ کہنا چاہا لیکن اس سے پہلے ہی وہ بائیک کو کک مارتا بیرونی دروازہ پار کر گیا۔

"جب میں نے کہا تھا مجھے آرٹس پڑھنی ہے پھر زبردستی سائنس کیوں دلوائی، ــــ گئی؟" اس نے کٹر ابا کے ہاتھ سے لیا تھا۔ مور پنکھ کے پھیلتے چوڑے پتوں کو کتنا کٹ کتر ڈالا۔

"سائنس اور کمپیوٹر کے زمانے میں کون پوچھتا ہے آرٹس کو ہاں؟"

سارا دن چولہا چوکی سنبھالنے والی اماں کو بھی سائنس اور آرٹس کا فرق بخوبی معلوم تھا۔ دادی کو چائے دے کر خود بھی ان کے پاس تخت پر بیٹھ گئیں۔

"زور، زبردستی کرنے کا پھر یہ ہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جب میرا دل ہی نہیں ہے سائنس پڑھنے کا۔"

لمبی اسٹریپ والا بیگ کندھے پر لٹکاتی صدف کمرے سے باہر آگئی تھی۔ بوتیک جانے کے لیے بالکل تیار......

دروازے پر گاڑی کا نامانوس سا ہارن سنائی دیا تھا۔

"تمہیں بوتیک سے اب گاڑی لینے کے لیے آتی ہے؟" ابا نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ابا! میری پروموشن ہوگئی ہے۔ تنخواہ میں اضافے کے ساتھ پک اینڈ ڈراپ کی سہولت بھی مل گئی ہے۔ آپ کو بتایا تو تھا۔"

"اچھا؟" ابا نے خود کلامی کی۔ "مجھے تو یاد نہیں ہے۔ بھول گیا ہوں گا۔ بوڑھا بھی تو ہوگیا ہوں اب!"

صدف چادر کندھوں پر پھیلاتی باہر چلی گئی تھی۔

"اللہ ہماری بچی کو مزید کامیابیاں عطا کرے!" دادی کی دعا پر اماں نے با آواز بلند "آمین" کہا تھا۔ جب کہ گل دوپہری کے پھولوں سے لدی پڑی کیاری پر نظریں جمائے شہوار سوچ رہی تھی۔

"یہ راتوں رات ایسی کون سی پروموشن ہوئی ہے؟" وہ بڑبڑائی تھی

☆☆☆

صبح سبکتگین یونی ورسٹی جاتے ہوئے ماں کو ان کے ہاں چھوڑ گیا تھا۔

تخت پر اونگھتی دادی ان کی آواز پر ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔ جنہوں نے چہرے پر رنج دکھ اور کسمپرسی کی داستان کو ہمیشہ کی طرح نرم مسکراہٹ کے لبادے میں چھپا رکھا تھا۔

دادی نے بہت چاؤ سے ان کا نام روشن سویرا رکھا تھا۔ شادی کے آٹھ سال بعد وہ ان کی بے رنگ تاریک زندگی میں روشن سویرا بن کر ہی تو آئی تھیں۔

دو سال بعد ابتہاج محمد کی پیدائش بھی ان کی اہمیت میں کمی نہیں کر پائی تھی۔ بہت لاڈ سے پالا، چاؤ سے شادی کی۔ لیکن ظفر مخدوم کے دل پر وہ کبھی چڑھ ہی نہیں سکیں۔ اترنے کا تو سوال ہی کیا؟

ماں کے مجبور کرنے پر ظفر مخدوم نے روشن سویرا سے شادی تو کر لی تھی لیکن نہ تو انہیں دل میں بسا سکے نہ ہی اپنے گھر میں، ماں نے جتنے جتن بیٹے کا گھر بسانے کے لیے کیے بیٹا، اتنا ہی بیوی سے برافروختہ اور نالاں۔

ان کے امید سے ہونے کی خبر بھی شوہر کا دل موم نہیں کر پائی تھی۔ بے زاری یا شاید نفرت کا یہ عالم تھا کہ ایک دن معمولی بات کو وجہ تنازع بنا کر طلاق کے تین لفظ بولے اور قصہ تمام کر دیا۔

وہ آٹھ ماہ کے حمل سے تھیں، طلاق نہیں ہو سکی تھی۔ دل کو ایک امید سی تھی کہ شاید.....

لیکن جس روز سبکتگین پیدا ہوا اس سے اگلے روز انہیں ظفر مخدوم کی جانب سے تحریری طلاق نامہ موصول ہوا۔ امید ٹوٹ گئی۔ راستے تنگ پڑ گئے۔

ظفر مخدوم کا ان پر پہلا اور آخری احسان وہ قدیم طرز پر بنا حق مہر میں لکھوایا گیا مکان ان کے حوالے کرنا تھا۔ شاید بیٹے کو وراثت کا حق ادا کر کے خود کو اس کی عدالت میں بری کروالیا تھا۔

ماں اور ابتہاج کے لاکھ اصرار کے باوجود وہ ان کے گھر جا کر رہنے پر آمادہ نہ ہوئیں انہیں کسی پر بوجھ بننا گوارا نہیں تھا۔

ابتہاج ریلوے میں ملازم گھر بچوں کی ذمہ داریاں اٹھانے کے ساتھ ساتھ ہر ماہ کچھ رقم زبردستی ان کے ہاتھوں میں تھما جاتے۔

واجبی تعلیم یافتہ تھیں۔ ہنر..... ہاں وہ ہنر مند تھیں۔ شروع شروع میں اجرت پر کپڑے سلائی کرنا شروع کر دیے۔ جب سبکتگین پانچ سال کا ہوا تو اسے قریبی اسکول میں داخل کروا کر خود ایک پیکو سینٹر میں نوکری کر لی۔ تنخواہ بہت زیادہ نہیں تھی لیکن وہ مطمئن تھیں۔ ضروریات محدود کر لیں اور خواہشات انہوں نے کبھی پالی ہی نہیں۔

اماں، بھائی، بھاوج سے جتنا بن پاتا کرتے لیکن زندگی اتنی آسان کب تھی؟ کچھ لوگوں کو آزمائش کے لیے چن لیا جاتا ہے۔

شوگر نے آہستہ آہستہ جسم کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا تھا۔ نہار منہ گولی منہ میں رکھنے کے بعد وہ اپنی تمام تر ہمت مجتمع کر کے ایک نئے دن کا سامنا کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوتیں۔

لیکن جب روز سینے میں اٹھتی درد کی لہر نے انہیں ادھ موا کر دیا تب وہ بے بسی سے رو پڑی تھیں۔

"ایک دل ہی تو تھا۔"

سبکتگین ان دنوں میٹرک میں تھا۔

"اماں! یہ رکھ لیں۔"

اس نے پانچ سو سے لے کر سو، پچاس کے چند نوٹ ان کی ہتھیلی پر رکھے تو وہ متعجب سی اسے دیکھنے لگیں۔

"ہمارے ہمسائے منشی اکرم نے کہا تھا میرے پوتے کو گھر میں ٹیوشن پڑھانے آسکو گے۔ دو چار اور لوگوں نے بھی کہا تو....." وہ ہتار ہا تھا اور روشن ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھے گئیں۔

"کیا میرا سبکتگین اتنا بڑا ہو گیا ہے؟"

وہ ماں کو مشقت کرتے، دن رات رنگ برنگی گولیاں پھانکتے دیکھ کر وقت سے پہلے بڑا ہو گیا تھا۔

بن باپ کے بچے کی شرافت اور قابلیت پر محلے والے آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کو تیار تھے۔ کالج سے واپسی کے بعد وہ گھر گھر ٹیوشن پڑھانے جاتا لیکن جب اس کے لیے دس گھروں میں جا کر پڑھانا مشکل ہو گیا تو اس نے اپنے گھر میں ٹیوشن سینٹر کھول لیا۔

دن گزرتے گئے بچوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ محلے میں اس کا نام، ایک پہچان بن گئی۔ یہ اس کا آغاز تھا۔

اسے ابھی بہت آگے جانا تھا۔

بی ایس فائنل کے امتحانات کے بعد اس نے ایک کوچنگ سینٹر میں پڑھانا شروع کر دیا۔

"اماں! اب آپ پیکو سینٹر نہیں جائیں گی۔" اس دن انہیں پھر کھانسی کا دورہ پڑا تھا۔ کھانس کھانس کر وہ دہری ہو گئیں۔

سبگتین نے پانی کا گلاس ان کے لبوں سے لگایا۔ پیٹھ سہلائی۔ کھانسی تھمی تو آنکھوں سے مسلسل بہتا پانی بھی رک گیا سانس ہموار کرنے میں انہیں کچھ وقت لگا تھا۔

"ایک کمپیوٹر سینٹر میں دو گھنٹوں کے لیے ٹائپ رائٹنگ کی کلاس دیتی ہے۔ رات آٹھ سے دس بجے تک۔ اس کا وہ معقول معاوضہ دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن اب آپ پیکو سینٹر نہیں جائیں گی اماں پلیز!" ان کے ہاتھ تھامے وہ جیسے منت کر رہا تھا۔

"پڑھائی کب کرو گے؟"

"رات کس لیے ہوتی ہے؟" وہ مسکرایا۔ پھر کہنے لگا۔

"رات بھر تو وہ بھی نہیں سوتے ہوں گے جو منہ میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئے ہیں یا پھر وہ جنہیں پلیٹ میں رکھ کر سب کچھ مل جاتا ہے۔ میں تو پھر....."

"خود پر اتنا بوجھ مت ڈالو سبگتین! تھک جاؤ گے۔"

نرمی سے کہتے انہوں نے تکیے سے پشت ٹکالی تھی۔

"مجھے محنت نہیں تھکاتی اماں! لیکن آپ کی یہ بے آرامی ضرور تھکا دے گی۔ اس لیے اب آپ صرف آرام کریں گی۔"

اس نے کسی بچے کی طرح جیسے انہیں بہلایا تھا۔ اس دن وہ ان سے پیکو سینٹر چھوڑ دینے کا وعدہ لے کر ہی اٹھا تھا۔

☆☆☆

"سبگتین کی اپنی مصروفیات ہیں۔ میں سارا دن اکیلی گھر میں اکتاہٹ کا شکار ہو جاتی ہوں۔ سوچ رہی ہوں جیسے ہی اسے کہیں نوکری ملے گی اس دن نکاح کی تاریخ لینے آجاؤں گی۔"

وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ چاول چنتی اماں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"بالکل آپا! آپ کی اپنی امانت ہے صدف، جب چاہیں لے جائیں۔" درشہوار سب کے لیے چائے بنا کر لے آئی تھی۔

"صدف کب تک آتی ہے؟" پھپھو نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے تو چار بجے تک آجاتی تھی۔ آج کل ذرا دیر سے آتی ہے کہہ رہی تھی بوتیک پر کام بڑھ گیا ہے۔"

دادی نے چائے میں رسک ڈبوتے ہوئے بتایا۔

"شہوار! چائے ختم کر کے کچن میں آجاؤ۔" اماں نے چاولوں کا تھال اٹھاتے ہوئے کچن کی طرف جاتے ہوئے اسے کہا تو وہ سر ہلا گئی۔

"کوئی اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں ہے بھابھی! سبگتین کا تو آپ کو پتا ہے کھانے پینے کا بالکل بھی شوقین نہیں ہے۔ جو بھی سامنے رکھ دو چپ کر کے کھا لیتا ہے۔"

پھپھو کے کہنے پر شہوار خالی کپ ٹرے میں رکھتے بولی۔ "کمال ہے سبگتین بھائی کی جو جینے کے لیے کھاتے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے میرے جیسے لوگ آئے ہی دنیا میں کھانے کے لیے ہیں۔"

پھپھو ہنس پڑی تھیں۔

"اماں کو منع مت کریں، آپ کی وجہ سے آج ہم بھی چھوٹی موٹی شاہی دعوت اڑائیں گے۔"

قدر نے رازدارانہ انداز میں بولتی وہ کچن میں چلی گئی۔

شام ڈھلنے کو تھی جب صدف کی گاڑی بیرونی دروازے پر آ کر رکی۔

سامنے ابا اور دادی کے ساتھ پھپھو اور سبگتین کو بیٹھا دیکھ کر اس نے ہاتھ میں تھامے شاپر دوسرے

ہاتھ میں منتقل کیے۔
"السلام علیکم!" سبکتگین نے یوں ہی سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا جو پھپھو سے ملنے کے بعد "میں چینج کرلوں۔" کہتی کمرے میں چلی گئی تھی۔ سبکتگین نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا۔

اماں نے کھانے پر اچھا خاصا اہتمام کرلیا تھا۔ چکن پلاؤ، کوفتے، آلو پالک کا سالن، رائتہ، سلاد اور میٹھے میں زردہ۔

در شہوار نے اٹھ کر دستر خوان لگایا۔

"میں کھانا نہیں کھاؤں گی آج ایک کولیگ نے لنچ دیا تو کھانا بہت لیٹ کھایا اب تو بالکل بھی بھوک نہیں ہے۔"

صدف تھوڑی دیر ہی ان کے پاس بیٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا آج آپ کی وجہ سے ہم بھی شاہی دعوت اڑائیں گے۔"

"تمیزی!" کاشف نے اسے گھورا تو وہ مزے سے کندھے اچکا کر مزید پلاؤ نکالنے لگی۔

اماں نے دیکھا۔ سبکتگین پہلی بار اتنی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔

پھپھو کے لاکھ نا، نا کرنے کے باوجود ان کے جاتے وقت کھانا ڈبوں میں بند کر کے ان کے ساتھ کر دیا۔

شہوار اندر کمرے میں آئی تو صدف بوتیک سے لائے کپڑے بیڈ پر پھیلائے انہیں اپنے آگے رکھ کر چیک کر رہی تھی۔ میڈم زرقا وقتاً فوقتاً اسٹاف کو سوٹ گفٹ کرتی رہتی تھیں۔ یہ بات اسے صدف نے ہی بتائی تھی۔

"تمہارا تایا ابا سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟"

شہوار نے ہیئر بینڈ اتار کر کنگھا اٹھا لیا۔

"نہیں تو۔" صدف چونکی۔ پھر لہجے کو سرسری بناتے ہوئے پوچھا۔ "کچھ کہا ہے اس نے تم سے؟"

"ہاں کہہ رہی تھی صدف سے کہنا اونچی اڑان ضرور بھرو لیکن اتنا یاد رکھنا کہ اتر کر پھر زمین پر ہی آنا ہوتا ہے۔"

بالوں میں کنگھا پھیرتے ہوئے اس نے بظاہر عام سے لہجے میں کہا۔ کن انکھیوں سے ڈریسنگ کے آئینے میں ابھرتے عکس کو دیکھا۔ جس کا چہرہ پل بھر میں متغیر ہوا تھا۔ پھر دوسرے لمحے خود کو سنبھال کر لاپروائی سے بولی۔

"تم اس کی کال اٹینڈ مت کرنا اب۔ ایسے فضول میں بولتی رہتی ہے۔"

"اوکے!" شہوار نے کندھے اچکائے۔

صدف نے الماری سے دو تین پرانے سوٹ نکالے۔

"یہ تم پہنوگی؟" شہوار نے پوچھا۔

"نہیں، تم جانتی ہو میں اترن نہیں پہنتی۔"

صدف نے کندھے اچکا کر پرانے سوٹ باہر نکال کر صوفے پر پھینکے اور ان کی جگہ پر بوتیک سے ملنے والے نئے سوٹ ہینگ کر کے لٹکانے لگی۔

☆☆☆

پھپھو کی رات پھر طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ سبکتگین انہیں بروقت اسپتال لے گیا۔ وہ تنہائی اور اکیلے پن کا شکار تھیں۔ کبھی شوگر لو ہو جاتی تو کبھی دل گھبرانے لگتا۔ ڈاکٹر نے انہیں ٹینشن فری رکھنے کا کہا۔

غم روزگار میں الجھے سبکتگین کے اختیار میں ہوتا تو دن رات ماں کے سرہانے لگ کر بیٹھا رہتا۔

لیکن وہ ماں کا پہلے سے بڑھ کر خیال رکھنے لگا تھا۔ کوچنگ سینٹر کے پروفیسر شکیل نے اسے وارننگ دی تھی کہ ان کا ادارہ مزید ایسی بے قاعدگیاں برداشت نہیں کرے گا۔ سبکتگین انہیں بتا نہیں سکا کہ اس کے حالات بھی ان کی کوتاہیوں کا بار مزید نہیں اٹھا سکتے۔ ایک ایوننگ اکیڈمی میں اسے فزکس اور کامرس پڑھانے کی آفر آئی تو اس نے کوچنگ سینٹر چھوڑ دیا۔

اس کا ایم ایس مکمل ہو چکا تھا۔ رات کو روزانہ اخبار کھول کر ملازمت کے اشتہار ڈھونڈ کر اگلی صبح اپنی سی وی بھیج دیتا۔ چند چھوٹے موٹے کورسز نے اس

کی سی وی میں، کئی ستاروں کا اضافہ کر دیا تھا لیکن اس کے پاس نہ تو تگڑی سفارش تھی نہ ہی رشوت۔ ایسے میں محض اپنی قابلیت کے بل پر جاب ڈھونڈنا اس کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گیا۔

وہ مایوس نہیں تھا لیکن ماں کی حالت۔

اس نے تفکر سے ان کا زرد چہرہ دیکھا۔ "میں اب بہت بہتر ہوں سبکتگین! تم پریشان مت ہو بیٹا۔"

وہ اپنی تکلیف سے زیادہ بیٹے کو اپنے لیے پریشان دیکھ کر فکر میں گھلنے لگی تھیں۔ وہ اپنے کام پر توجہ مرکوز نہیں کر پا رہا تھا۔ دن میں کئی بار فون کر کے ان کی طبیعت پوچھتا۔

اس صورت کا انہیں ایک ہی حل نظر آیا تھا۔ انہوں نے سبکتگین کے سامنے وہ حل رکھ دیا۔

"مجھے آپ کے فیصلے پر اعتراض نہیں ہے اماں! آپ کی فرمائش ہے تو سر آنکھوں پر حکم ہے تو میرا سر تسلیم خم۔"

ان کی بے رنگ آنکھوں میں پانی بھرتا گیا۔

"جانتے ہو سبکتگین! جب جب میں تمہیں دیکھتی ہوں تو میرا دل کہتا ہے، قسمت کی لاکھ ستم ظریفیاں ایک طرف لیکن ایک تمہیں میری جھولی میں ڈال کر، قدرت نے میرے تمام دکھوں کا ایسا خوب صورت ازالہ کیا ہے کہ کوئی شکوہ میرے لبوں تک آتا ہی نہیں۔"

سرخ چہرہ لیے سبکتگین نے ان کے دونوں ہاتھ چوم لیے تھے۔

☆☆☆

وہ بیٹا تھا اس نے ماں کا مان رکھا ہی نہیں کئی گنا بڑھا دیا تھا۔

لیکن یہاں وہ سوالی بن کر آئی تھیں۔ درخواست گزار، اماں نے بے ساختہ دادی کی طرف دیکھا تھا اور دادی نے اپنے بیٹے کی طرف

ڈاکٹر نے جو کچھ کہا سبکتگین انہیں بتا گیا تھا۔

"اپنوں ___ میں کیسی سوچ بچار، گھر کی ہی بات ہے۔ فکر مت کریں آپا! صدف سے پوچھ کر نکاح کی کوئی قریبی تاریخ رکھ لیں گے۔"

ابتہاج کی بات پر انہوں نے طویل اطمینان بھری سانس اپنے اندر اتاری تھی۔ اماں اور دادی بھی متفق تھیں۔

"صدف کی شادی؟ وہ بھی اتنے اچانک؟"

شہوار ایکسائٹڈ ہوتی اچھل پڑی۔ "کاشف! کچھ سنا تم نے؟"

"ہاں جی اپنے سبکتگین بھائی کے سہرے کے پھول کھلنے والے ہیں اور صدف......" صدف نے تو ان کی پوری بات سننے سے پہلے ہی انہیں بات کرنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔

"میں سبکتگین سے شادی نہیں کروں گی۔"

گرمیاں تو کب کی رخصت ہو گئی تھیں لیکن ابتہاج نے خود کو سر تا پیر پسینے میں بھیگتا محسوس کیا۔

"میں شاہ ویز سے محبت کرتی ہوں اور اس سے شادی کروں گی۔"

دادی نے اپنا کلیجہ تھام لیا۔ اماں نے لڑکھڑا کر سرسوں کا پھول بنی پھپھو کو دیکھا اور سبکتگین اس کی طرف تو دیکھا ہی نہیں گیا۔

سورج جیسے عین ان کے سروں پر آ کر انہیں جھلسانے لگا تھا۔

"شاہ ویز بہت جلد اپنے گھر والوں کو لے کر آئے گا رشتے کی بات کرنے۔"

ایک وہی تھی جو اس سلگتے ریگستان میں اتنے سکون سے کھڑی ٹھنڈے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"شاہ ویز؟" شہوار نے زیر لب دہرایا۔ "لیکن وہ تو نایاب کا منگیتر تھا نا؟" تو یہ تبدیلی بے وجہ نہیں تھی۔

☆☆☆

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ پلیز انکار مت کیجیے گا۔"

اجنبی نمبر تھا اس لیے نایاب نے کال ریسیو کر لی تھی ورنہ جتنی نفرت اسے صدف سے ہو گئی تھی وہ اس سے متعلقہ کسی فرد کی آواز تک سننا نہیں چاہتی تھی۔

اصل معاملہ کیا تھا یہ صرف نایاب ہی بتا سکتی تھی۔ شہوار اس کے گھر پہنچ گئی۔

"پلیز نایاب! آپ ہی بتایئے یہ سب کیا ہے؟ صدف کے شادی سے انکار نے ہمارے گھر پر قیامت ڈھادی ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے شاہ ویز کی شادی تو آپ سے ہونا تھی نا؟"

نایاب تنا ہوا چہرہ لیے اس کی بات سن رہی تھی۔ سرد لہجے میں کہنے لگی۔

"آستین میں سانپ پالنا کسے کہتے ہیں یہ مجھے تمہاری بہن نے ہی سمجھایا ہے۔ میں نے اسے آنٹی کے بوتیک میں جاب دلوائی۔ اس پر ٹرسٹ کیا لیکن اس میں سارا قصور میری سادگی اور اندھے اعتبار کا نہیں۔ خود غرض لوگ شاید اسی طرح دوسروں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

میں نہیں جانتی اس نے کب اور کیسے شاہ ویز کو اپنے دام میں پھنسایا۔ شاہ ویز نے مجھ سے شادی سے انکار کردیا۔ زرقا آنٹی کا اکلوتا بیٹا۔ میرا بچپن کا منگیتر جو کل تک مجھ سے محبت کا دعوے دار تھا آج اس کی محبت کا دم بھر رہا ہے۔ آنٹی نے اسے بوتیک سے نکالا تو شاہ ویز نے اسے اپنی نئی برانچ میں پرسنل اسسٹنٹ کی جگہ پر بٹھادیا۔ دونوں ماں بیٹے کو ایک دوسرے کے مقابلے پر لاکر کھڑا کردیا ہے اس نے۔ آنٹی نے مجھ سے کہا ہے میں مرجاؤں گی لیکن اسے بہو بنا کر اپنے گھر نہیں لاؤں گی۔ شاہ ویز کی شادی تم سے ہی ہوگی۔ لیکن..... اب وہ شاہ ویز سونے کا بھی بن کر آجائے تو مجھے اس سے شادی نہیں کرنی، وہ صدف جیسی لڑکی ہی ڈیزرو کرتا ہے۔"

نایاب کے الفاظ زہر میں بجھے تیروں سے زیادہ تکلیف دہ تھے۔ واپسی کے سفر میں وہ رکشے کے ایک کونے میں دبکی آنے والے وقت سے خوف زدہ تھی۔

☆☆☆

دادی نے بیٹے کے ڈھلکتے کندھے دیکھے۔ اتنا کرب تو اس کی آنکھوں میں اس وقت بھی نہیں آیا تھا جب حادثے نے ان سے دونوں ٹانگیں چھین لی تھیں۔ اپنی تربیت پر انگشت بدنداں بہو کی شرم ساری سے جھکی آنکھیں دیکھیں۔

سرسوں کا پھول بنی بیٹی کو دیکھا، جس کا سانس اس وقت دھونکنی کی مانند چلنے لگا تھا اور ان کا نواسا شہزادوں جیسی آن بان رکھنے والا سبکتگین کیسے لمحوں میں فقیر ہوا تھا۔ انہوں نے دوپٹے کا پلو منہ پر ڈال کر کروٹ بدل لی۔ ان کی گدلے پانیوں سے بھری ضعیف آنکھوں میں مزید کچھ دیکھنے کی تمنا باقی نہیں رہی تھی۔

"تم اتنی خود غرض کیسے ہوسکتی ہو صدف؟"

شہوار کا جی چاہا اسے جھنجوڑ کر رکھ دے۔ جب کہ وہ اس ساری صورت حال کے لیے پہلے سے تیار تھی۔ سکون سے بولی۔

"خود غرض میں نہیں ہمارے گھر والے ہیں۔ انہیں خود سوچنا چاہیے کیا میرا اور سبکتگین کا کوئی جوڑ ہے؟ خالی خولی وجاہت کے سوا اور اس کے پاس ہے ہی کیا؟"

"پھپھو محبت کرتی ہیں تم سے اور شاید سبکتگین بھائی بھی۔"

"ہونہہ! خالی جیب محبت کسے اچھی لگتی ہے؟"

شہوار نے دکھ سے اسے دیکھا۔ جو مزید گل افشانی کررہی تھی۔

"اس کے پاس نہ اچھا گھر ہے نہ کوئی ڈھنگ کی جاب۔ پھپھو نے جس طرح چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے سسکتے ہوئے زندگی گزاری ہے۔ ایسے میں نہیں گزار سکتی۔ جب میرے پاس اس سے بہتر آپشن موجود ہے تو میں اس ترستی، سسکتی زندگی کا انتخاب کیوں کروں؟"

شہوار کا جی چاہا اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے روک دے۔ اور کچھ نہیں تو دروازے کے پار ساکت کھڑے سبکتگین کے کانوں میں ہی انگلیاں ٹھونس دے۔ جو اپنی لہورنگ آنکھیں لیے الٹے قدموں واپس مڑ گیا تھا۔

☆☆☆

شاہ ویز نے نجانے کیسے اور کیا کہہ کر ماں کو راضی کیا تھا۔ وہ رشتہ لے کر آگئی تھیں تو شہوار نے سوچا اس سے تو اچھا تھا وہ نہ ہی آتیں۔

"آج کل کے بچوں کا تو پتا ہے اپنی مرضی کے مالک ہیں اوپر سے راہ بھٹکانے والے بھی "ایسے" مل جائیں تو ماں باپ بے چاروں کے پاس، ان کی ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ باقی نہیں رہتا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی محبت سے مجبور ہو کر بہت مشکلوں سے یہاں آئی ہوں....."

میڈم زرقا بول رہی تھیں۔ اٹھی ہوئی گردن والی مغرور عورت جن کی بوتیکس کی شاخیں کئی شہروں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ شہر کی معروف شخصیات میں شمار ہوتی تھیں۔ جنہیں بیٹے کی ضد اور محبت نے اس عام سے گھر کے عام سے ڈرائنگ روم کے عام سے صوفے پر لا کر بٹھا دیا تھا۔ وہ یوں کنارے پر ٹک کر بیٹھی تھیں جیسے ابھی اٹھ کر چل پڑیں گی۔

چائے اور دیگر لوازمات پر نگاہ غلط ڈالے بنا مطلب کی بات پر آگئی تھیں۔ ڈرائنگ روم کا سفید جالی والا پردہ دبوچے صدف کو ان کا یہاں آنا ہی اپنی سب سے بڑی کامیابی لگا تھا۔

ان کے الفاظ لہجے پر غور کرنے کی اس نے ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

کاشف نے بے اختیار ابا کو دیکھا۔ جو نگاہیں نیچی کیے مسلسل کارپٹ کو گھورے جا رہے تھے۔ نہ جانے انہوں نے کچھ سنا بھی ہے یا نہیں؟ یقیناً سب سن لیا تھا۔ ان کے وہیل چیئر پر مضبوطی سے جمے ہاتھوں کی ابھری ہوئی رگوں کو دیکھ کر شہوار نے سوچا۔

دادی نے صدف سے بات کی تھی۔ لیکن وہ اپنی ضد سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھی۔ اس کے پاس ایک سو ایک دلائل تھے، خود کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے دادی نے وہ ساری نصیحتیں اپنے پلو سے باندھ لیں، جو وہ اسے کرنے کا ارادہ کر کے اس کے پاس آئی تھیں۔

"سادگی سے نکاح اور رخصتی ہوگی۔"

ابا نے صرف ایک بات کہی تھی۔ اس کے بعد چپ سادھ لی۔ لوگوں کی کھلتی زبانیں دیکھ کر انہیں ویسے ہی چپ ہو جانا تھا۔

والہانہ جوش و خروش کا مظاہرہ دوسری طرف سے بھی نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے نکاح کے لیے بھجوایا گیا سامان دیکھ کر تو لمحہ بھر کے لیے شہوار کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ نکاح کا جوڑا شاید ہی لاکھ سے کم ہو گولڈ کے زیورات، جوتے، مہنگا ترین کاسمیٹکس، بیگ.....

"دیکھا؟" صدف نے ایک جتائی ہوئی نظر اس کے حیرت زدہ چہرے پر ڈالی تھی۔ اس گھر میں اس وقت کوئی خوش تھا تو وہ صدف تھی۔

سکتگین نہیں آیا لیکن وہ ماں کو بھی آنے سے روک نہیں سکا تھا۔ وہ ان کے ٹوٹے دل کو مزید کرچیوں میں بٹتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"وہ میرا میکہ ہے سکتگین! ایک رشتے کے ٹوٹنے سے میں اپنے باقی رشتوں سے تعلق نہیں توڑ سکتی۔"

وہ خاموش رہا تھا۔ پھر اسی خاموشی سے انہیں ماموں کے دروازے پر چھوڑ کر الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

"مجھے معاف کر دیں ابا!"

"رخصتی سے پہلے وہ ابا کی وہیل چیئر کے پاس دوزانو ہو کر بیٹھ گئی تھی۔ انہوں نے لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔

ہاں معاف کرنا ان کے اختیار میں تھا۔ لیکن جو دکھ وہ انہیں دے کر جا رہی تھی اسے بھلانا ان کے اختیار میں نہیں تھا۔

☆☆☆

میڈم زرقا دنیادار خاتون تھیں۔

ان کے وسیع سرکل میں شاہ ویز کی شادی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی تھی۔ شاہ ویز کی شادی اور وہ بھی اتنی خاموشی اور سادگی سے؟

خلقت خدا کہنے کو فسانے مانگے۔ نایاب کی جگہ صدف کو جس دل سے وہ رخصت کروا کر لے آئی تھیں یہ وہ خود ہی جانتی تھیں۔ لیکن شان دار ولیمہ ارینج کر کے انہوں نے لوگوں کے منہ بند کر دیے تھے۔

ولیمے کے اگلے روز شاہ ویز کے ساتھ گھر آئی تھی۔ قیمتی لباس پہنے، خوشبوؤں میں بسی ایک بالکل مختلف صدف۔

وہ آتے ہی دادی، اماں اور شہوار کے گلے لگی تھی۔

"ولیمے پر کیوں نہیں آئے آپ لوگ؟" نہ جانے وہ اتنی بے نیاز بن رہی تھی یا حیثیت بدلتے ہی بے نیاز ہو گئی تھی۔

کچھ بھی تھا داماد پہلی بار گھر آیا تھا۔ دادی کے اشارہ کرنے پر اماں چائے وغیرہ کا انتظام کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ شاہ ویز نے روک دیا۔

پکی عمر کا بہت معمولی سا شاہ ویز، جس کی بے تحاشا دولت نے اسے صدف کی نگاہ میں سب سے اہم بنا دیا تھا۔

"کل ہم بھوربن وغیرہ جا رہے ہیں تو اس لیے آج صدف کو آپ لوگوں سے ملوانے کے لیے لے آیا....."

اس نے صدف کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سر کو ہلکا سا خم دے کر خوب صورت سا ہنس دی۔ "جناب!"

اور برآمدے کی گرل کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی شہوار نے سوچا۔

"کیا واقعی کچھ لوگ اتنے ہی خوش قسمت ہوتے ہیں کہ جب جی چاہا ہاتھ بڑھا اپنی من پسند خوشیاں حاصل کر لیں؟"

صدف چلی گئی تھی لیکن اس کے لباس سے اٹھتی قیمتی پرفیوم کی مہک دیر تک پورے گھر میں مہکتی رہی تھی۔

☆☆☆

آج بہت دنوں بعد پھپھو آئی تھیں۔

پہلے سے زیادہ کمزور ہو گئی تھیں۔ نقاہت لہجے سے چھلکنے لگتی۔ صرف مسکراہٹ تھی جو ہمیشہ کی طرح آج بھی ان کے ہونٹوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

صدف کا حال احوال پوچھا۔ چائے بھی پی۔

اماں ان سے نظریں نہیں ملا پائی تھیں۔ کاشف دنوں بعد آج تسلی سے اپنی موٹر بائیک چمکا رہا تھا۔

"سبکتگین بھائی کی جاب کا کیا بنا پھپھو! ان سے کہیں نگڑی سفارش کے بغیر ان کے شایان شان جاب ملنا بہت مشکل ہے کوئی اور کام ڈھونڈ لیں۔"

"اب کیا پرچون کی دکان کھول کر بیٹھ جائے؟" دادی نے پوتی کو گھورا۔

"سبکتگین لگا ہوا ہے کچھ نہ کچھ ہو جائے گا ان شاء اللہ" پھپھو بہت پرامید تھیں۔

ابا چپ چاپ شاور اٹھائے پودوں کو پانی سے نہلاتے رہے۔

آہستہ سے ہی سہی زندگی معمول پر لوٹ آئی تھی۔ اس روز انہیں چھوٹا آئینہ سامنے کیے اپنی سفید کنپٹیوں پر کلر لگاتے دیکھ کر شہوار نے سکھ کی سانس لی تھی۔ ان کے سفید، الجھے بالوں کو دیکھ دیکھ کر عجیب سی وحشت ہونے لگی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے برش لے لیا اور احتیاط سے کلر لگانے لگی۔

"تم سبکتگین سے شادی کر لو در شہوار"

اس کا ہاتھ کانپا تھا۔ غلط اسٹروک ابا کے کان کو داغ دار کر گیا۔

"جو زخم وہ دے گئی ہے اس پر مرہم تم ہی لگا سکتی ہو۔ ورنہ زندگی بھر رستا رہے گا۔"

امرود کی ٹہنیوں پر اچھلتی گلہری لمبی چھلانگ لگا کر، ساتھ والے املتاس کے گھنے پتوں میں دبک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ جو ابا کے چہرے کو یک ٹک تکے جا رہی تھی۔

"ابا! میں....." اس کے لب پھر پھڑائے تھے۔

اس نے شدت سے نفی میں سر ہلانا چاہا۔ زبان سے کہنا چاہا۔ لیکن ابا کہہ رہے تھے۔

"ہاتھ جوڑوں تمہارے سامنے؟"

اور در شہوار وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے قدموں میں گری فنا ہوگئی تھی۔

دادی نے لرزتے ہاتھوں سے ساتھ بیٹھی بہو کا ہاتھ تھاما، جس کے چہرے پر عجیب سا سکون ہلکورے لیتا دکھائی دینے لگا تھا۔

صدف واپس آگئی تھی پہلے سے زیادہ خوب صورت اور خوش باش۔

ابا کے لیے جیکٹ، دادی کی شال، اماں کا جوڑا شہوار اور کاشف کے لیے پرفیوم اور بھی نہ جانے کیا کچھ۔ اس نے ان کے لیے اتنا کچھ لیا تھا۔ اپنے لیے نہ جانے کیا کچھ لیا ہوگا؟

"سبگلین اور شہوار کا نکاح؟ آج..... شام کو؟"

سارے شاپنگ بیگز اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر گئے تھے۔

"تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو؟" اس نے شہوار کو جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ "صاف..... صاف انکار کردو ابھی اور اسی وقت....."

کارپٹ پر گویا انگارے دہک اٹھے تھے جن پر ننگے قدموں چلتی وہ یہاں سے وہاں تک چکر کاٹ رہی تھی۔ شہوار ساکت سی بیڈ پر ٹانگیں لٹائے بیٹھی تھی۔ نگاہ اٹھا کر اپنے اندر کے ہیجان پر بمشکل قابو پاتی صدف کو دیکھا۔

"میں تمہاری طرح نہیں ہوں صدف! بہادر، بے باک اور شاید خود غرض....."

"ہونہہ!" صدف نے سر جھٹکا۔ "میں نے صرف اپنا حق استعمال کیا تھا اور ابا کو دیکھو مجھے ان سے یہ امید نہیں تھی۔ بہن اور بھانجے کی محبت میں بیٹی قربان کرنے چلے ہیں۔ میں نے انکار کردیا تو انہوں نے تمہیں سولی پر چڑھانے کا فیصلہ کرلیا۔" لیکن تم اپنے ساتھ یہ زیادتی مت کرو شہوار! پھپھو کی طرح تمہاری بھی ساری زندگی چھوٹی چھوٹی خواہشات کو مارتے آخر میں خون تھوکتے گزر جائے گی۔"

"تمہیں اتنا غصہ کس بات پر آرہا ہے صدف! میری شادی ہونے پر یا سبگلین سے ہونے پر؟"

صدف نے دونوں بازو کمر پر رکھ کر اسے گھورا۔

"ترس آرہا ہے مجھے تم پر۔ بلکہ حیرت ہو رہی ہے تم تو سالن میں اچھی بوٹی نہ ملنے پر طوفان اٹھا دیا کرتی تھیں، پھر زندگی کے اتنے بڑے فیصلے پر کیسے سر جھکا دیا؟

صدف کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کیسے اسے اس سب سے باز رکھے۔ اس کا غصہ، وحشت اور بے قراری عروج پر تھی۔

"اور تم تو اترن تک نہیں پہنتی تھیں کجا کہ ایک دھتکارا ہوا شخص....."

شہوار دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے گھٹنوں میں سر دے کر رو دی تھی۔

☆☆☆

روشنیوں کا شہر خاموش ہوگیا تھا۔

آسمان کے سینے پر چمکتا آدھا ادھورا چاند رات کی تاریکی کو نگلنے میں ناکام تھا۔ اسٹریٹ پولز کی مدھم روشنیوں میں تارکول کی سیاہ سڑک پر خاموشی رقصاں تھی۔ دور کہیں کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز مہیب سناٹے میں دراڑیں ڈال گئی تھی۔

"خالی خولی وجاہت کے سوا اور ہے ہی کیا سبگلین کے پاس؟ نہ اچھا گھر نہ کوئی ڈھنگ کی جاب؟"

راہ میں آئے خالی کین کو جوتے کی ٹھوکر ماری تو وہ عجیب سی کھنکھناہٹ پیدا کرتا دور تک لڑھکتا چلا گیا تھا۔

رات کا دامن بہت وسیع تھا۔ تھکاوٹ سے چور جسم، بھاگتے دوڑتے مناظر، ادھیڑ پن میں جلا دماغ آہستہ سے ہی سہی رات کی مہربان چادر تلے کسمسا کر پرسکون ہوگئے تھے۔

ایک وہی تھا۔ بے سکون، مضطرب.....

شل ہوتے قدموں کے ساتھ وہ گھر لوٹ آیا تھا۔ صحن کے بیچ و بیچ کسی سنگی مجسمے کی مانند ایستادہ کھڑی ماں کو دیکھ کر وہ ٹھٹھکا تھا۔ وہ اسی کی راہ دیکھ رہی تھیں۔

"آپ سوئی نہیں ہیں اماں! ابھی تک کیوں جاگ رہی ہیں؟"

ان کے قریب آکر وہ ٹھہر گیا تھا۔

"جس ماں کا بیٹا اپنی شادی کی رات دو بجے تک گھر سے باہر رہے اس ماں کو موت تو آسکتی ہے نیند نہیں۔"

ماں کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ سامنے بیڈ پر بیٹھی شہوار کو دیکھ کر اس کے قدم تھمے تھے۔

"ابھی تک ایسے کیوں بیٹھی ہو دور؟"

"وہ چونکی در؟" ہاں ایک وہی تھا جو ہمیشہ اسے در کہہ کر پکارتا لیکن ایسے، یہ اور بات تھی ایسا موقع شاذ و نادر ہی آیا تھا۔

"مجھے کچھ کام کرنا ہے۔ تم چینج کر کے سو جاؤ۔" سنجیدگی سے کہتا وہ الماری کی طرف بڑھا۔ کچھ کتابیں، فائل وغیرہ اٹھائیں اور کونے میں رکھی میز کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

شہوار کو روایتی دلہنوں کی طرح نہیں سجایا گیا تھا۔ ہلکے گلابی رنگ کے سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ سر پر اوڑھ رکھا تھا۔ جس کے کناروں پر سفید موتیوں کا ہلکا سا کام تھا۔ ایسا ہی کام قمیص کے گلے، دامن اور آستینوں پر بھی تھا۔

ہونٹوں پر لپ اسٹک، آنکھوں میں کاجل۔

پھپھو کا جو تھوڑا بہت زیور تھا وہ تھوڑا تھوڑا کر کے سبکتگین کی پڑھائی کے اخراجات کے سلسلے میں بکتا گیا۔ اب صرف دو کنگن ہی بچے تھے۔ جو پھپھو کو ان کی ساس نے چڑھائے تھے۔ وہی کنگن انہوں نے بہت محبت سے شہوار کے ہاتھوں میں ڈال دیے تھے۔

اس نے اٹھ کر کپڑے بدلے۔ منہ دھویا اور بیڈ کے کنارے لیٹ کر بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ سبکتگین اس کی وہاں موجودگی سے لاتعلق بنا اپنا کام کرتا رہا۔

"دیکھنا تم پچھتاؤ گی اپنے فیصلے پر اور اس کے لیے تمہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ ایک ہی دن کافی ہوگا۔"

آنکھیں بوجھل ہو کر بند ہونے تک صدف کی آواز اس کے کانوں کے آس پاس گونجتی رہی تھی۔

☆☆☆

صبح اس کے اٹھنے سے پہلے وہ باہر جا چکا تھا۔

ملحقہ غسل خانے میں ٹونٹی سے قطرہ قطرہ پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ نیچے اکھڑے ہوئے فرش پر مسلسل پانی گرنے سے چھوٹا سا کھڈا بن گیا تھا۔

اس نے بالٹی اٹھا کر ٹونٹی کے نیچے رکھ دی۔

بیسن پر لگے آئینے پر نگاہ ڈالے بغیر منہ پر پانی کے چھپاکے مارتی، وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے چہرے پر گزری رات کا ایک ایک لمحہ ثبت تھا۔ دوپٹے کے پلو سے چہرہ خشک کرتی وہ باہر آگئی تھی۔

پھپھو کچن میں پیڑھی پر بیٹھی پیڑا بنا رہی تھیں۔ اسے آتا دیکھ کر مسکرائیں۔

"ناشتے میں کیا لو گی بیٹا!" چھوٹا سا کچن اپنے اندرونی حال کی کہانی سناتا گویا ان کے سوال پر ہنسا تھا۔

اسے یاد آیا وہ ناشتے کے معاملے میں اماں کو کتنا زچ کرتی تھی۔ کبھی آملیٹ چاہیے تو کبھی آلو والے پراٹھے، کبھی دیسی گھی کے ساتھ چپڑی روٹی پر دادی کے ہاتھ سے ڈالا گیا سبزیوں اور کیری کا اچار۔

"میں نے تو سوچا تھا سبکتگین سے کہوں گی سامنے نکڑ پر بشیرے سے حلوہ پوری اور چھولے لے آئے گا۔ لیکن آج اس کا انٹرویو ہے تو اس لیے جلدی چلا گیا....."

اس کے سامنے پراٹھا اور پیاز، ہری مرچوں والا آملیٹ رکھتے ہوئے بولیں۔

"منہ اندھیرے کون سا انٹرویو ہوتا ہے؟" سر جھٹک کر وہ خاموشی سے ناشتا کرنے لگی تھی۔

"سبکتگین تو ناشتے میں سادہ روٹی کے ساتھ دہی لیتا ہے۔ جب کہ مجھے رات کے بچے ہوئے سالن کے ساتھ باسی روٹی مزہ دیتی ہے۔ وہ جلد ہضم

ہو جاتی ہے نا تو اس لیے....."

ناشتے کے دوران پھپھو یونہی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی رہیں۔

"لیکن اب تم آ گئی ہو نا تو اب بہت کچھ بدلے گا۔ زندگی کو تبدیلی درکار ہوتی ہے۔"

انہوں نے ٹھیک کہا تھا زندگی تبدیلی مانگتی ہے۔ لیکن ایسی تبدیلی کا تو اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ جیسے کسی نے جادو کی چھڑی گھما کر اس کے دن رات بدل ڈالے ہوں۔ اس گھر میں وہ بارہا آ چکی تھی لیکن کبھی ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا تھا کہ اسے ہمیشہ کے لیے یہاں آ کر رہنا پڑے گا۔

البتہ صدف کے یہاں آنے کے بارے میں اس نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ اس کی ذہنی رو پلٹی۔

"تبدیلی تو صدف کے زندگی میں بھی آئی تھی اور کیا قابل رشک تبدیلی تھی۔ وہ فرش سے عرش پر جا پہنچی تھی اور میں....."

اس نے اس وقت خود کو انگاروں پر چلتا محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

"وحید ٹیکسٹائل" کا نام دور سے ہی اونچی عمارت کے ماتھے پر جگمگا رہا تھا۔

فیکٹری کے اندر مشینوں کو گھر رگھوں، زوں زوں گونج رہی تھی۔ منہ پر ماسک چڑھائے باوردی ملازم مستعدی اور جاں فشانی سے اپنے اپنے امور سرانجام دے رہے تھے۔ ان کی مخصوص بو نے اندر داخل ہوتے ہی اس کا استقبال کیا تھا۔

شہر کی اس مشہور ترین مل میں منیجر کے لیے ایک اسسٹنٹ اور کوالٹی چیکر کی جاب تھی۔ آج اس کے انٹرویو کے لیے وہ یہاں آیا تھا۔

ریوالونگ چیئر پر بیٹھے پکی عمر والے منیجر نے کرسی روک کر اسے دیکھا تھا۔ کئی بار کی پہنی ہوئی پینٹ پر گرے لائنوں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ سلیقے سے جمے بال، اس کی سحر انگیز شخصیت دیکھ کر لمحہ بھر کے لیے تو منیجر بھی دل ہی دل میں اس سے مرعوب ہو گیا تھا۔

"او بادشاہو اڈگریوں کا پہاڑ لے کر کہاں کھڑا بنانے والی فیکٹری میں بھول کر آ بھٹکے ہو؟ تم تو کرسی پر بیٹھ کر حکم چلانے کے لیے بنائے گئے ہو۔"

اس کی فائل پر نگاہیں دوڑاتا منیجر بھدی آواز میں بولتے ہوئے ہنسا تھا۔

"کوئی تجربہ ہے اس کام کا؟"

"کام کروں گا تو تجربہ ہوگا سر!" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"او نا جی ناں! ایسے اناڑی بابو کو تو سیٹھ وحید اپنی مشینوں کے پرزوں کے قریب بھی نہ بھٹکنے دے۔"

انہیں واقعی کاروباری سوجھ بوجھ رکھنے والے گھاگ، چلتر قسم کے اسسٹنٹ کی ضرورت تھی۔

مشینوں کی زوں زوں اب اعصاب پر گراں گزرنے لگی تھی۔ وہ ایک لمحہ مزید ضائع کیے بغیر اپنی فائل اٹھائے وہاں سے اٹھ کر باہر آ گیا تھا۔

ایم ایس مکمل ہوتے ہی اس نے یونی ورسٹی چھوڑ دی تھی۔ پرائیویٹ اسکول والے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑ لینے کے بعد مہینے کے آخر میں گنتی کے چند ہزار ہتھیلی پر رکھ دیتے۔ اس نے کوچنگ کے بعد ایک ایوننگ اکیڈمی میں پڑھانا شروع کر دیا تھا۔ آخری دو گھنٹے ایک کمپیوٹر سینٹر میں دو گھنٹوں کے لیے ٹائپ رائٹنگ چیتیج کی کلاسز دیتا۔ دن رات کی دوڑ دھوپ کے بعد وہ جتنا کماتا اس ہوشربا مہنگائی کے دور میں اونٹ کے منہ میں زیرے کے مترادف تھی۔

بجلی، پانی، گیس کے بل، اماں کی دوائیوں کا خرچا، خاندان میں دینا دلانا، راشن وغیرہ..... سبکلین چاہتا تھا مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ ہاتھ آئے اسی تگ و دو میں وہ جگہ جگہ جاب کے لیے اپلائی کر رہا تھا۔ چاہے کام اس کی ڈگری اور شخصیت سے مطابق نہ بھی رکھے وہ ہمت ہارنے والا نہیں تھا۔

"اماں کہاں ہیں؟"

آج وہ ہمیشہ کی طرح اسے اپنے انتظار میں

دروازے کے پاس کھڑی نظر نہیں آئی تھیں۔ ورنہ تو گلی میں اس کے موٹر سائیکل کی آواز سنتے ہی دروازے کے پاس چکر کاٹنا شروع کر دیتی تھیں۔ سبگتین کو دروازہ بجانے کی کبھی نوبت نہیں آئی تھی۔ اس کا ہاتھ اٹھنے سے پہلے ہی وہ دروازہ کھول دیتی تھیں۔

"پھپھو؟ پتا نہیں....."

آگے چلتے سبگتین کے قدم تھمے تھے۔ مڑ کر پیچھے آئی شہوار کو دیکھا۔

"کیا مطلب؟ پتا نہیں؟"

تیز لہجے میں بولتا وہ ان کے کمرے کی طرف بھاگا تھا پھر کچن کی طرف جہاں اندر دروازے کے قریب وہ بے ہوش ہو کر گری ہوئی تھیں۔

شہوار کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ "پھپھو!" وہ فوراً آگے بڑھی تھی۔

سبگتین نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھالے انہیں کمرے میں لے آیا تھا۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر دروازے کے پاس لب چباتی شہوار کو جو کسی مجرم کی طرح سر جھکائے کھڑی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔

"میں اب ٹھیک ہوں بیٹے! تم دونوں جاؤ اپنے کمرے میں۔"

وہ تکیے کا سہارا لے کر تھوڑا سا اوپر اٹھ کر بولیں۔

"میں آج یہیں ہوں آپ کے پاس۔ جس نے جانا ہے وہ جائے۔"

شہوار نم آنکھیں لیے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

☆☆☆

"یہ کیا حرکت تھی سبگتین؟"

صبح پھپھو سبگتین پر ناراض ہو رہی تھیں۔

"کیا؟" وہ چنگیر اپنی طرف کھسکاتا بے نیاز بن گیا۔

"تم اچھی طرح جانتے ہو میں کس بارے میں بات کر رہی ہوں۔"

"اور اس محترمہ کے بارے میں کیا کہیں گی آپ؟ حد ہوتی ہے لاپروائی اور غیر ذمہ داری کی....." وہ دبے دبے غصے میں بولا تھا۔

"میں کیا پہلی بار بیمار ہوئی ہوں؟"

پھپھو نے دہی کا پیالہ اس کے سامنے کیا۔

"پہلے کی بات اور تھی اماں! تب آپ سارا دن گھر میں اکیلی ہوتی تھیں۔ جانتی ہیں کل پورا دن میں نے صرف یہی سوچ کر آپ کو کال نہیں کی کہ آپ اکیلی نہیں ہیں....."

"سارا وقت وہ میرے پاس ہی تھی۔ اب اسے خواب تھوڑی آیا تھا کہ اس کے کمرے میں جاتے ہی میں بے ہوش ہو کر گر پڑوں گی۔"

پھپھو خفا خفا لہجے میں بول رہی تھیں۔ سبگتین ناشتا کرنے لگا۔

"شہوار! آ جاؤ بیٹا!" پھپھو کی نظر اب اس پر پڑی تھی۔ وہ خاموشی سے اندر آ گئی۔

"آج تو اتوار ہے۔ تمہیں دیر نہیں ہو رہی ہوگی۔ بشیر سے شہوار کے لیے چھولے اور بریانی لے آؤ۔"

"اس کی عادتیں خراب مت کریں اماں! بس جو ہے جیسا ہے "یہی" ہے۔"

کہتا وہ اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔ پھپھو اس کی پشت کو دیکھ کر رہ گئیں۔ شہوار خاموشی سے اس کا چھوڑا ہوا ناشتا ختم کرنے لگی۔

"میں اور بنا دیتی ہوں۔" وہ جلدی سے پراٹھے کے لیے توا چولہے پر رکھنے لگیں تو شہوار نے منع کر دیا۔

"کام ختم کر کے پھر تمہاری اماں کے ہاں چلتے ہیں۔ ٹھیک ہے؟"

شہوار کو لگا جیسے وہ اسے بچوں کی طرح بہلانے کی کوششوں میں لگ گئی ہوں۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

پھپھو کے ساتھ کچن سمیٹ کر وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ سبکتگین اپنی مخصوص کرسی پر لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔

شہوار نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں کنگھا پھیرا۔ سرخ چھوٹے چھوٹے پھولوں والی ہیئر پن ماتھے کے اوپر سے کھینچ کر لگائی۔ پیچھے کرلی بال کھلے چھوڑ دیے۔

"چلیں پھپھو؟"

پھپھو کو اندر کمرے میں آتا دیکھ کر وہ چادر اوڑھتے پوچھنے لگی تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"ایسے ہی چل پڑیں کیا؟ شادی شدہ بیٹیاں اچھے سے تیار ہو کر میکے جاتی ہیں۔ تم تو خیر سے نو بیاہتا ہو......"

"مجھے ایسا نہیں لگا پھپھو! جب لگے گا تو میں بھی پورے سولہ سنگھار کر کے ہی میکے جایا کروں گی۔"

سبکتگین نے ایک جھٹکے سے سر اوپر اٹھایا تھا۔ لیکن تب تک وہ چادر اوڑھتی باہر نکل گئی تھی۔

"ٹھیک ہو در شہوار؟"

"شکر ہے ابا نے یہ نہیں پوچھا۔" "خوش ہو در شہوار؟"

"آپ کیسے ہیں؟ آنسوؤں کا گولہ حلق سے اندر اتارتے وہ مسکرائی تھی۔

"کیسے کا تو پتا نہیں بس رات کو جب سونے لگتا ہوں تو نیند جلدی آ جاتی ہے اور دل پر کوئی بوجھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔"

وہ بھیگی آواز میں بول رہے تھے۔ "تمہیں مجھ سے گلہ تو ہو گا نا میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کر دی؟"

"ابا!" وہ زور سے ان کے گلے آ لگی تھی۔

شام کو سبکتگین انہیں لینے پہنچ گیا تھا۔ پھپھو نے اطمینان کی سانس لی۔

☆☆☆

"ہاں تو تم کیا کہہ رہی تھیں اماں سے؟ تمہیں نہیں لگتا کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے؟"

رات کو وہ سونے کی تیاریوں میں تھی جب سبکتگین اس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

شہوار کو اندازہ نہیں تھا وہ بغیر کسی لگی لپٹی کے اس کے سامنے یوں سوال جواب کرنے کھڑا ہو جائے گا۔

"کیا جتانا چاہ رہی تھیں اماں کو کہ تم اس زبردستی کے بندھن سے خوش نہیں ہو؟"

"مجھے کچھ جتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" رخ موڑ کر وہ تکیہ درست کرنے لگی تھی۔ سبکتگین نے اس کا بازو پکڑ کر رخ اپنی طرف موڑا۔

"بات سنو! کسی نے تمہاری کنپٹی پر بندوق نہیں رکھی تھی۔ تمہاری رضامندی کے بعد ہی میں نے اس نکاح کے لیے ہامی بھری تھی اماں کی خوشی......"

شہوار کے اندر سے دھواں اٹھنے لگا تھا۔ اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑواتے سلگتے لہجے میں بولی۔

"میں نے بھی صرف اپنے ابا کا حکم مانا ہے۔ ان ہی کی خوشی کی خاطر یہ کڑوا گھونٹ پیا ہے ورنہ مجھے ایسے انسان کا ساتھ چاہیے ہی نہیں جس کے دل و دماغ پر کسی اور کا قبضہ ہو۔"

نا چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے اندر سلگتے احساس کو اس پر عیاں کر گئی تھی۔

صدف کی خوب صورتی، اس کے ناز و انداز کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں تھا۔ گداز جسامت سانولی نمکین رنگت والی در شہوار نے خود کو "نمایاں" کرنے کے لیے کبھی کوئی تردد نہیں کیا تھا۔ اپنے حلیے سے بے نیاز اپنے آپ میں مگن رہتی۔

وہ صدف کی خوب صورتی کو دل سے سراہتی لیکن اس کے اندر اس جیسا بننے کی خواہش نے کبھی سر نہیں اٹھایا تھا۔

اب بہت کچھ بدل گیا تھا۔ سبکتگین کی اس سے برتی جانے والی، حد درجہ بے نیازی یا شاید لاتعلقی کے پیچھے اسے سب سے بڑی وجہ یہی نظر آئی تھی۔ اس نے یقیناً اپنے ساتھ ہمیشہ صدف کو سوچا ہو گا جو ہنستی بھی تو لگتا کسی دور ویرانے کے مندر میں گھنٹیاں سی بج اٹھی ہوں۔

وہ عام سی در شہوار پر ایک نگاہ بھی ڈالتا تو کیونکر؟ وہ پہلی بار رقابت کی آگ کی تپش محسوس کر رہی تھی۔ اور اب ناچاہتے ہوئے بھی اپنا اندرونی خلفشار اس پر ظاہر کر گئی تھی۔

"بہرحال آپ اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہیں۔"

جی کڑا کر کے اس نے کہہ ہی دیا۔ سنگین کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

"ضرور کروں گا بس ذرا وقت تو آجائے۔"

☆☆☆

اس دن اچانک صدف پہنچ گئی۔

پھپھو عصر پڑھ رہی تھیں۔ شہوار رات کا کھانا بنانے کی غرض سے کچن میں آ گئی۔

فریج کھول کر جائزہ لیا۔ نہ گوشت، نہ آلو نہ ہی کوئی اور سبزی..... گہری سانس بھرتے اس نے فریج کا دروازہ بند کر دیا۔

سلیب کے اوپر شیلف پر دال، چاول اور مسالہ جات وغیرہ کے ڈبے ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ تھوڑی سی دال، تھوڑے سے چاول، اسے پھپھو کے معاشی حالات کا اندازہ تو تھا لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اتنی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔

دال ٹرے میں ڈال کر اسے صاف کرنے کی غرض سے وہ باہر صحن میں امرود کے درخت نیچے رکھی چارپائی پر آ بیٹھی تھی۔

تک ٹونی ہوئی گلی کے نکڑ پر ہی صدف کو اپنی لشکارے مارتی گاڑی سے اترنا پڑ گیا تھا۔ نازک ہیل پہنے دروازے تک پہنچتے پہنچتے اس کی بس ہو گئی۔

قیمتی گلاسز بالوں میں اٹکائے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز تھامے۔

شہوار اسے اچانک سامنے دیکھ کر حیران سی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"صدف! تم؟"

"ہاں یار! مجھے نہیں پتا تھا تمہارے دولت خانے پر آنے کے لیے مجھے اتنا خوار ہونا پڑے گا۔"

سخت جھلائے ہوئے لہجے میں بولتے اس نے بیگز چارپائی پر رکھ دیے تھے۔ اس کی آواز سن کر پھپھو بھی باہر آ گئی تھیں۔

"کیسی ہیں پھپھو آپ؟"

"اللہ کا شکر ہے بیٹا!" انہوں نے ہمیشہ شکر ہی ادا کیا تھا۔

"کھڑی کیوں ہو بیٹھو نا؟" ان کے کہنے پر وہ پلاسٹک کی کرسی پر تکلفاً بیٹھ گئی۔

پھپھو چائے بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی تھیں۔ جب سے شہوار اس گھر میں آئی تھی وہ بہت خوش اور مطمئن رہنے لگی تھیں۔ صحت بھی پہلے کی نسبت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

"شاہ ویز نے اسلام آباد میں اپنی بوتیک کی نئی لانچ کی اوپننگ کی ہے تو اس خوشی میں مس نے گھر میں ایک دعوت رکھی ہے۔ باقی سب کو تو کال پر ہی انوائٹ کیا ہے لیکن تمہارے پاس خود چل کر آئی ہوں۔ سوچا اس بہانے تم سے مل لوں گی اور تمہارا گھر بھی دیکھ لوں گی۔"

چاروں اور نگاہیں دوڑاتے اس کا لہجہ کچھ تمسخرانہ سا ہو گیا۔ شہوار کو یاد تھا اس نے بہت عرصہ سے پہلے پھپھو کے گھر آنا چھوڑ دیا تھا اور وہ اس کی ناپسندیدگی کو فطری جھجک اور لحاظ پر محمول کرتی رہی تھی۔

اس نے لاشعوری طور پر دال کی ٹرے اپنے پیچھے کھسکا دی۔

"یہ میں تمہارے لیے لائی تھی۔" صدف نے شاپنگ بیگز کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی صدف؟" اس کے چمکتے چہرے کی طرف شہوار سے دیکھا نہیں گیا۔ صدف نے بھنویں اچکائیں۔

"ابھی بھی ضرورت نہیں ہے؟"

اس کے سادہ کپڑوں اور پیروں میں پہنی سیاہ دو پٹی چپل کی طرف اشارہ کیا۔

"ویسے بھی جن حالات میں تمہاری شادی ہوئی

"یہ تو اچھا ہوا، شاہ ویز نے جہیز لینے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ اور میرا سارا جہیز کا سامان تمہارے کام آ گیا ورنہ اماں لوگوں نے بھلا کہاں تیاری کر رکھی تھی۔ اور پھپھو...... ان کو تو رہنے ہی دو۔"

پھپھو چائے لے آئی تھیں۔ یقیناً انہوں نے با آواز بلند صدف کی ساری گفتگو من و عن سن لی تھی۔ شہوار کو شرمندگی ہونے لگی۔

"غربت شرمندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔" کم دودھ والی سادہ چائے اور بسکٹ کو دیکھ کر شہوار نے سوچا۔

"آپ نے خوامخواہ تکلیف کی پھپھو! میں اب چائے نہیں پیتی۔"

شاید وہ پھپھو کا دل رکھنے کی خاطر ایسا کہہ رہی تھی۔ لیکن صدف کو دل رکھنا کہاں آتا تھا بھلا؟ یقیناً اس نے چائے پینا چھوڑ دی ہوگی۔

"اچھا؟ پھر کھانا کھا کر جانا۔"

پھپھو دال کی ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی گئی تھیں۔

"کھانا؟ اوہ مائی گاڈ۔" ناک پر ناک چڑھاتے اس نے گویا جھرجھری سی لی۔ "اسی لیے تمہیں منع کیا تھا مت کرو یہاں پر شادی۔ اگر اس وقت تم نے اپنے لیے اسٹینڈ لیا ہوتا تو آج اس بوسیدہ سے گھر میں نہ بیٹھی ہوتیں جس کی دیواروں سے ہی غربت ٹپک رہی ہے۔ تم تو کھانے کے معاملے میں بالکل سمجھوتا نہیں کرتی تھیں میں حیران ہو رہی ہوں یہ پھیکے شوربے والی دال کیسے تمہارے حلق سے اتر جاتی ہے؟"

سبکتگین لب بھینچے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ان کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

"ہونہہ! بھرم وہ دکھائے جس کے پاس کچھ ہو۔"

"اف! یہ صدف آخر چلی کیوں نہیں جاتی؟" شہوار نے بے بسی سے سوچا۔

☆☆☆

صدف جاتے جاتے پھپھو کو اور اسے بصد اصرار اپنے گھر دعوت پر آنے کا کہہ گئی تھی۔

"اس اینگری مین کو بھی لیتی آنا۔ تاکہ اسے بھی پتا چلے، دنیا کہاں کی کہاں پہنچ چکی ہے۔"

شہوار اسے چھوڑنے کے لیے دروازے تک آئی تھی۔ اس کے باہر نکلنے کے بعد ذرا سا باہر جھانک کر دیکھا، گلی کے نکڑ پر اس کا ڈرائیور سفید گاڑی سے ٹیک لگائے اس کا منتظر کھڑا تھا۔

شہوار نے دروازہ بند کر دیا۔

اگلے روز پھپھو نے تو اپنی طبیعت کو جواز بنا کر دعوت پر جانے سے معذرت کر لی تھی۔ البتہ شہوار کو جانے سے منع نہیں کیا۔

"اور سبکتگین؟"

"کیا سبکتگین؟ اس کی اتنی جرأت ہے کہ وہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں کچھ کہہ سکے؟"

پھپھو کے ہلکے پھلکے لہجے پر وہ ہنس پڑی تھی۔

اماں کی کال آئی تھی۔ وہ اور دادی بھی جا رہی تھیں۔ بیٹی نے دل دکھایا تھا لیکن اب تو سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا تھا۔ وہ اپنے گھر میں خوش تھی۔ تو کب تک دل میں اس کے خلاف ناراضی پالتی رہتیں۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ کاشف تمہیں لینے آئے گا۔"

اماں سے بات کرنے کے بعد وہ الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔ سوچتے ہوئے ہینگر الٹ پلٹ کر دیکھے۔ اچانک نظر صدف کے لائے ان شاپنگ بیگز پر پڑی تھی جو اس نے یونہی الماری کے نچلے حصے میں ڈال دیے تھے۔

بوتیک کا مہنگا سوٹ نفیس سی فینسی سینڈل اور بھی کئی برانڈڈ اشیاء تھیں۔ اس نے نہا کر ڈاک بلو کلر کا وہ سوٹ پہن لیا جس پر ایمبرائیڈری کی گئی تھی۔

ایک سائیڈ سے مانگ نکال کر بالوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ ہونٹوں پر گلابی لپ اسٹک کی تہہ جمائی اور لمبی اسٹریپ والا بیگ کندھے پر ڈالتی چادر اوڑھ کر پھپھو سے جانے کی اجازت مانگی۔

کاشف اسے لینے پہنچ گیا تھا۔ اماں اور دادی کو وہ پہلے ہی صدف کے گھر چھوڑ آیا تھا۔ اور صدف کا گھر کیا تھا عالی شان کوٹھی شہوار تو اندر قدم رکھتے ہی دنگ رہ گئی۔ اماں اور دادی بھی یقیناً اسی قسم کی کیفیات سے دوچار ہونے کے بعد اب صوفے پر بیٹھی آس پاس کے لوگوں کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ آہستہ آواز میں تبصرے بھی کر رہی تھیں۔ شہوار ان کی طرف بڑھ گئی۔

بلیک ساڑھی میں ملبوس دلکش سی صدف والہانہ انداز میں اس سے گلے ملی تھی۔

"تھینک گاڈ! تم نے یہ سوٹ پہن لیا ورنہ تو میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہیں اپنا کوئی ٹو پیس ٹائپ جوڑا ہی پہن کر نہ آجاؤ۔" صدف کی بات پر دادی کو پتنگے لگ گئے۔

"اے بی بی! اگر ہماری وجہ سے تیری اونچی ناک کٹ جانے کا خطرہ ہے تو ہم واپس چلے جاتے ہیں۔"

یقیناً صدف نے ان کے کپڑوں وغیرہ کے بارے میں اپنے نادر خیالات کا برملا اظہار کر دیا تھا۔ دادی کی برہمی کے پیچھے یہی وجہ تھی۔

"اوہو دادی! میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔" ہیئر کٹ بالوں کو ایک ادا سے جھٹکتی وہ قدرے خفگی سے بولی۔ سلیولیس باریک ساڑھی کے نیچے اس کا گورا بدن دمک رہا تھا۔ کتنی جلدی وہ ان سب کے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ شہوار نے بے ساختہ نگاہ چرائی۔

"تمہاری ساس نظر نہیں آرہیں؟" اماں نے پوچھا تو وہ ویٹر کو انہیں جوس سرو کرنے کا اشارہ کرتی ناک چڑھا کر کہنے لگی۔

"وہ کہاں نظر آئیں گی اب؟"

"کیا مطلب؟" دادی نے خوش ذائقہ مشروب چھلکاتا بلوریں گلاس بمشکل اپنے ہاتھوں سے گرنے سے بچایا تھا۔

"وہ اس دعوت کے حق میں نہیں تھیں۔ اپنے تئیں تو انہوں نے پورا زور لگایا لیکن افسوس....." اس نے مصنوعی تاسف سے گردن ہلائی۔

"اس تو پھر یہ سب کس نے کیا ہے؟"

اماں کو اسٹربری کا جوس پسند نہیں آیا تھا۔ بمشکل ایک دو گھونٹ بھر کے گلاس واپس رکھ دیا۔

"شاہ ویز نے کیا ہے۔ وہ میری کوئی بات نہیں ٹالتا۔ اسی بات کا تو صدمہ لگا ہے اس کی مام کو۔ بیٹے نے میری بات رد کر کے بیوی کی بات کیسے مان لی؟

"احتجاجاً گھر سے واک آؤٹ کر گئی ہیں اپنی اس چہیتی بھانجی کے پاس، دعوت ختم ہوتے ہی واپس آجائیں گی۔"

صدف ایسے بتا رہی تھی جیسے اس کے نزدیک یہ بہت معمولی بات ہو۔ زرقا میڈم نے اسے شروع دن سے اپنی بہو تسلیم نہیں کیا تھا تو سوداٹ؟ شاہ ویز تو اس کی زلفوں کا اسیر تھا اور اس کے لیے یہی بہت تھا۔

کھانا سرو کیا جا رہا تھا۔ شاہ ویز کے ساتھ مہمانوں کو اٹینڈ کرتی وہ ساری تقریب پر چھائی ہوئی تھی۔

بیش قیمت بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس شاہ ویز کو اس کے ساتھ دیکھ کر شہوار کو بے ساختہ حور کے پہلو میں لنگور والی مثال یاد آگئی۔

کھانے کے بعد وہ یونہی اٹھ کر گھر کا جائزہ لینے کی خاطر چہل قدمی کرتی کاریڈور پار کر گئی۔ بے حد قیمتی ساز و سامان سے سجا وہ محل شیشے سے بنا لگتا تھا۔

"لگتا ہے سالی صاحبہ کو کھانا پسند نہیں آیا؟ کچھ اور آڈر کروں آپ کے لیے؟" وہ گلاس وال کے پار خوب صورت لان کا منظر دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ عقب سے آتی شاہ ویز کی آواز سن کر اچھل ہی تو پڑی۔

اس کی گھبراہٹ پر وہ عجیب سا مسکرایا۔ شہوار کو نہ اس کی مسکراہٹ اچھی لگی نہ آنکھیں۔ وہ سرعت سے دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ غیر محسوس انداز میں شیفون کا باریک دوپٹا دونوں کندھوں پر اچھی طرح پھیلا لیا۔

"ایسی بات نہیں ہے شاہ ویز بھائی! میں کھانا

کھا چکی ہوں۔" وہ جبراً مسکرائی۔
"چلو تم کہتی ہوں تو مان لیتے ہیں۔ ویسے تم صدف کی بہن بالکل نہیں لگتیں۔ مختلف ہو اس سے ..... تمہاری جیسی لڑکیاں تو شاید اب اس دنیا میں کم ہوتی جارہی ہے۔ ہزار صدف جیسیوں کے درمیان بالکل الگ....."
شہوار کا تنفس تیز ہوا تھا۔ "ایکسکوزمی!"
چہرے پر ناگواری لیے وہ اس کے پہلو سے نکل کر تیز تیز قدموں سے چلتی اماں اور دادی کے سر پر جا کھڑی ہوئی۔
"اگر آپ لوگوں کا ابھی یہاں رکنے کا ارادہ ہے تو بتادیں میں خود ہی چلی جاتی ہوں؟"
"نہیں ..... نہیں ہم بھی بس اب اٹھ ہی رہے تھے۔ وہ صدف کہہ رہی تھی ڈرائیور چھوڑ آئے گا تو....."
اماں نے پستہ فلیور آئس کریم کا کپ میز پر رکھ دیا تھا۔ شہوار نے ایسی جلدی مچائی کہ صدف کو مجبوراً ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہنا پڑا۔
"کیا بچپنا ہے شہوار! گھر کہیں بھاگا تھوڑی جارہا ہے ابھی تو موسیقی کا پروگرام شروع ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو ایسی تقریبات رات گئے تک چلتی ہیں۔ ابھی صرف بارہ ہی تو بجے ہیں۔"
"ہمارے یہاں اس وقت آدھی رات کا وقت ہوتا ہے۔" شہوار جتا کر کہتی سب سے پہلے گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

وہ ایک الگ جہاں تھا خوابناک سا۔
جسے وہ کھلی آنکھوں سے دیکھ آئی تھی۔ چھو آئی تھی۔ محسوس کر آئی تھی۔ اور اب بند آنکھوں کے پار بھی ایک بار پھر وہی جہاں آباد ہوگیا تھا۔ جہاں روشنیاں تھیں مسکراہٹیں، بے فکری، تو پھر یہ طے ہے اگر پیسہ ہاتھ میں نہ ہو تو زندگی کا دامن تنگ پڑنے لگتا ہے۔
"بے سکونی، ناامیدی اور جھنجلاہٹ۔"
"افوہ! اس سے تو اچھا تھا وہاں نہ ہی جاتی۔"
اس نے جھلا کر کروٹ لی۔ سامنے سبکتگین کسی معمول کی طرح لیپ ٹاپ پر اپنے کام میں مصروف تھا۔ اسے بے اختیار شاہ ویز یاد آگیا۔ اس کی آنکھیں۔ اس کی مسکراہٹ اور وہ کیا کہہ رہا تھا؟ اسے صدف کے انتخاب پر افسوس ہوا۔ ایسے دل پھینک، نظر باز اور ناشکرے انسان کی خاطر اس نے سبکتگین کو ٹھکرایا تھا۔
ایک ہی چھت تلے رہنے کے باوجود جس نے کبھی زبردستی کا استحقاق نہیں جتایا اور حق جتانا بھی تو کیوں؟ میں کون سا اس کے دل کی خواہش بن کر اس کی زندگی میں آئی ہوں۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔
خیال کی رو پلٹی۔ صدف کے ساتھ شاہ ویز کو دیکھ کر اگر حور کے پہلو میں لنگور کی مثال تازہ ہوسکتی ہے تو اسے سبکتگین جیسے شان دار انسان کے ساتھ دیکھ کر بھی تو لوگ کچھ سوچتے ہوں گے؟
کشادہ پیشانی، مغرور ناک نقشہ اوپر سے اس کا لیا دیا انداز مقابل کو اپنی حد میں رکھتا۔
"کوئی پریشانی ہے در؟"
اس کی نظروں کا ارتکاز محسوس کر کے وہ سر اوپر اٹھائے پوچھ رہا تھا۔ شہوار گڑبڑائی پھر نفی میں سر ہلایا۔
"میری ساری پریشانی تم ہو سبکتگین ظفر"
اس نے کروٹ بدل لی۔ آج تو بیڈ کا نرم گداز بھی جسم کو کاٹ رہا تھا۔

☆☆☆

موسم بدلا تو پھپھو کے کچن گارڈن کے اطراف اگے کینوں کے پودوں پر بور آگیا۔ کھٹی میٹھی سی مہک چاروں اور مہکنے لگی تھی۔ انہوں نے چھوٹے سے باغیچے میں تمام موسمی سبزیاں اگا رکھی تھیں۔ ایک طرف لیموں اور انار کا پودا تھا۔ دوسری طرف امرود جہاں سارا دن گلہریاں اچھلتی کودتی رہتیں۔ صحن کے بیچ و بیچ مضبوط تنا درجامن کا درخت سر اٹھائے کھڑا تھا۔
پھپھو کی دیکھا دیکھی اس نے ان پودوں کا خیال رکھنا شروع کردیا تھا۔

آج وہ ساتھ والی پروین خالہ کے ساتھ گروسری لینے بازار گئی ہوئی تھیں۔ شروع میں سبکتگین انہیں مہینے بھر کا سودا سلف اکٹھا لا دیتا تھا لیکن اب وہ بہت مصروف ہو گیا تھا۔ صبح کا گیا رات گئے واپس آتا تب تک شہوار سو چکی ہوتی۔

رات کو جب بھی اس کی آنکھ لمحہ بھر کے لیے کھلتی وہ اسے اپنی مخصوص کرسی پر لیپ ٹاپ پر کام کرتا دکھائی دیتا۔ نجانے وہ سوتا کب تھا؟ اس نے گھر گروی رکھ کر بینک سے قرض لیا تھا اور چند مخصوص دوستوں کے تعاون سے اپنی اکیڈمی کھول لی تھی۔ اکیڈمی کے لیے عمارت کرائے پر لی اور اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ دن رات کی ان تھک محنت اور لگن رنگ لانے لگی تھی۔ وہ شروع سے مختلف اکیڈمیوں اور ٹیوشن سینٹرز میں پڑھاتا رہا تھا۔ کالج، یونیورسٹی کے طلبا کے لیے ”سر سبکتگین“ کا نام نیا نہیں تھا۔

ایک نئی راہ کھل رہی تھی۔ راستہ ناہموار اور دشوار تھی لیکن وہ اپنے قدم جما رہا تھا۔ اس روز کاشف اچانک ابا کو لے آیا۔

پیچھے اماں اور دادی بھی تھیں۔ وہ خوشی سے ابا کا مسکراتا چہرہ دیکھتی بھاگتے ہوئے ان سے لپٹ گئی تھی۔ حادثے کے بعد آج وہ پہلی بار یہاں آئے تھے۔

”بیٹی کی محبت آخر تمہیں یہاں کھینچ ہی لائی۔“ تفکر کے احساس سے لبریز پھپھو کی آنکھوں میں نمی سی چمکی تھی۔ سبکتگین اس وقت گھر پر ہی تھا۔

”ہاں بھئی برخوردار! بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ پاک مزید کامیابیاں سمیٹنا نصیب کرے۔“

انہوں نے پھلوں اور مٹھائی کے شاپر میز پر رکھ دیے تھے۔ شہوار کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ جب سبکتگین باہر سے سامان لے آیا۔

”تم چائے ڈالو جب تک۔“

شہوار نے حیرت سے اسے دیکھا جو اس کے قریب بیٹھ کر پلیٹوں میں سموسے، رول، بسکٹ اور کیک نکالنے لگا تھا۔

”چائے؟“ اس نے ایک دم سر اوپر اٹھا کر اسے دیکھا تو جل سی ہوئی، چائے کپوں میں ڈالنے لگی۔ سبکتگین کی نگاہوں سے اس کے ہاتھوں کی لرزش مخفی نہیں رہی تھی۔

دونوں ایک ساتھ چائے اور دیگر لوازمات کی ٹرے اٹھائے کچن سے باہر نکلے تھے۔

دادی کی دور پار کی بھانجی شمسہ کی بیٹی کے لیے کاشف کا رشتہ ڈالنے جانا تھا۔ دادی اور اماں کو تو تکین بہت پسند تھی۔ کاشف نے سعادت مندی سے فیصلے کا اختیار ان کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

سبکتگین کی کال آئی تو وہ معذرت کرتا اٹھ کر گھر سے باہر چلا گیا تھا۔

”سوچا تھا تم بھی ساتھ چلو گی تو بات پکی کر آئیں گے۔ لیکن وہ صدف تو ہمارا فون نہیں اٹھاتی۔ ہفتہ بھر سے زیادہ ہو گیا ہے اس کی کوئی خیر خبر نہیں۔ ویسے بھی وہ کہاں اس پرانے محلے میں ہمارے ساتھ جانے پر رضامند ہوگی۔ اونچے گھر میں بیاہ کیا ہو گیا اس کی ناک تلے کچھ سماتا ہی نہیں۔“

اماں بول رہی تھیں۔ شہوار نے ساتھ چلنے کی ہامی بھر لی۔ اگلے روز اماں اور دادی کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر صدف کا نمبر ملایا لیکن اس کا نمبر ابھی تک بند جا رہا تھا۔

شہوار گہری سانس بھرتی ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے کاشف کا چہرہ بیک ویو مرر کے آئینے میں دیکھا تو وہ سوالیہ انداز میں ابرو اچکا کر اسے دیکھنے لگا۔

”ویر میرا گھوڑی چڑھیا۔“ شہوار گنگنائی کاشف ہنس دیا تھا۔

☆☆☆

”میری بات کا جواب دیے بغیر تم باہر نہیں جا سکتے۔“

صدف کی چلاتی آواز پر شہوار کے قدم دروازے کے باہر ہی ٹھٹک کر رک گئے تھے۔

"تمہارا صرف دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں....." شاویز نے درشتی سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑوایا تھا۔

"اچھا؟ تو پھر تم ہی بتادو وہ نایاب تمہارے ساتھ مال میں کیا کر رہی تھی؟"

"بتایا تو ہے اتفاقاً وہاں مل گئی۔"

"اچھا؟" صدف کی طنزیہ آواز گونجی۔ "اتفاقاً ہی وہ تمہیں اب مال میں مل جاتی ہے۔ اتفاقاً ہی تم اسے شاپنگ کروانے کی آفر کرتے ہو۔ اور اتفاقاً ہی اس کے ساتھ ڈنر کرنے بیٹھ جاتے ہو۔ تم کسے بے وقوف بنا رہے ہو شاویز؟"

شاویز جھنجلایا۔ "مام صحیح کہتی ہیں دن بدن تمہارا دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے۔"

"میں اچھی طرح جانتی ہوں یہ سب تمہاری مام کا کیا دھرا ہے۔ لیکن میں بتا رہی ہوں شاویز یہ دونوں مل کر تمہیں بے وقوف بنا رہی ہیں۔ صرف اور صرف مجھ سے بدلہ لینے کے لیے....."

"اوہ شٹ اپ! میں کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ اب اگر تم میری جاسوسی کرتی پائی گئیں تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ آئی وارن یو صدف!" وہ جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا۔

شہوار ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

"پاگل ہوگئی ہے تمہاری بہن اسے سمجھاؤ دیسے سچ ہی کہتے ہیں عورت کی عقل اس کے ٹخنوں میں ہوتی ہے۔ لیکن ہر عورت کی نہیں شاید....."

اس پر ایک گہری معنی خیز نگاہ ڈالتا وہ باہر چلا گیا تھا۔ شہوار فوراً دروازہ دھکیلتی اندر آئی۔

اپنے تیز نفس پر قابو پانے کی کوشش کرتی صدف نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"یہ سب کیا تھا صدف؟"

وہ ایسے تھک کر کاؤچ پر بیٹھی جیسے میلوں کا سفر پیدل طے کر آئی ہو۔

"تم دونوں تو بہت آئیڈیل زندگی گزار رہے تھے پھر اب کیا غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے۔"

"جب تک وہ "وچ" زندہ ہے تب تک ہمارے درمیان کچھ ٹھیک نہیں ہوسکتا۔" صدف بھڑکتے ہوئے بولی۔

"شروع دن سے ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ کسی طرح شاویز کو مجھ سے بدگمان کر کے اس نایاب کو اس گھر میں لانے کی راہ ہموار ہو جائے۔"

"لیکن شاویز بھائی تو محبت کرتے تھے تم سے؟ وہ کیوں آگئے ان کی باتوں میں؟ کیا محبت اتنی ہی کمزور اور ناقابل اعتبار ہوتی ہے صدف؟"

"محبت؟" صدف بڑبڑائی۔ شہوار کو اس کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں لگی تھی اس وقت۔

اور صدف اس کو بتا نہیں پائی تھی کہ وہ اس کی زلفوں کا اسیر ہوا تھا۔ اس کے خوب صورت چہرے اور ہوش ربا حسن پر مرمٹا تھا۔ وہ گھاگ، گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے والا، دریافت کا پرندہ..... اسے اپنی دسترس میں کر کے اسے حاصل کر کے اب اس سے اکتانے لگا تھا۔ ایک نئے جہاں کی تسخیر کے لیے لمبی اڑان بھرنے کے بہانے ڈھونڈنے لگا تھا۔ دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتی شکست خوردہ تاثرات مٹانے کی سعی کرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاجرہ جوس غیرہ لے آؤ۔"

دروازے پر کھڑے ہو کر ملازمہ کو آرڈر دیا۔

"وہ جی..... بڑی بیگم صاحبہ نے منع کیا ہے آپ کا کوئی بھی کام کرنے سے۔"

انہوں نے کہا آپ کو کچھ چاہیے تو خود کچن میں جا کر لیا کریں۔

ملازمہ کی منمناتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

"دفع ہو جاؤ تم، بڑی بیگم صاحبہ کی بچی....."

ذلت کے احساس سے اس کا چہرہ جل اٹھا تھا۔ گالیاں دیتے زور سے دروازہ بند کیا تھا۔ شہوار فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"پلیز صدف خود پر قابو رکھو۔ غصہ کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ کاشف کے نکاح پر تو آؤ گی نا؟"

صدف نے منتشر ذہن کے ساتھ اثبات میں

سر ہلا دیا۔

☆☆☆

مختصر عرصے سے میں سبگلین کی اکیڈمی نے اپنی الگ پہچان بنالی تھی۔ اس کی دن رات کی دوڑ دھوپ کا ثمر ملنا شروع ہو گیا تھا۔ جس دن اس نے اکیڈمی کے ساتھ ملحقہ اپنا نیٹ کیفے اور کمپیوٹر سینٹر کھولنے کا بتایا تو پھپھو سجدے میں گر گئی تھیں۔ اس نے سب سے پہلے تھوڑا تھوڑا کر کے بینک سے لیا قرضہ واپس کرنا شروع کر دیا تھا کچن کی شیلف پر رکھے مسالہ جات اور دال چاول کے ڈبے خالی ہونے سے پہلے ایک بار پھر بھر جاتے۔ فریج میں تازہ دودھ، انڈے، پھل اور بریڈ ہمیشہ وقت موجود رہتے۔ پھپھو کی دوائیاں وقت سے پہلے آجاتیں۔

سبگلین کے خون پسینے سے اگتی بے فکری اور خوش حالی کی سنبلیں پھلنا پھولنا شروع ہو گئی تھیں۔

اس رات وہ معمول سے قدرے جلدی گھر واپس آگیا تھا۔ کھلی کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے وہ محویت سے دور آسمان پر چمکتے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ کھٹکے کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔ سبگلین نے ہزار ہزار کے کچھ نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔

"مجھے یہ نہیں چاہئیں۔" شہوار نے نگاہوں کا زاویہ بدل لیا تھا۔

"رکھ لو در! کاشف کے نکاح کے لیے شاپنگ وغیرہ بھی تو کرنی ہوگی۔" اس کا لہجہ اس کے الفاظ اور پر سے اس کا یوں "در" کہنا قیامت سی ڈھا گیا۔ شہوار کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب ہوا۔

لیکن دماغ اف.....

وہ محض اپنی ماں کو خوش کرنے کے لیے یہ سب کر رہا ہے۔ پہلے بھی تو ان کی خوشی کی خاطر اس سے شادی کرنی تھی۔ ہاں سبگلین ظفر اتنا فرماں بردار تو تھا ہی۔

"بہت شکریہ! میرے پاس ہے سب کچھ۔"

اس کے پہلو سے نکل کر وہ بیڈ پر اپنا تکیہ درست کرتی کروٹ بدل گئی تھی۔

آنکھوں کے کنارے بھیگے تو دل کی بستی ڈوبنے لگی۔

"کیا میں سبگلین سے محبت کرنے لگی ہوں؟"

سینے تک اوڑھے کمبل کو دونوں مٹھیوں سے دبوچتی وہ اپنے آپ میں سمٹنے لگی تھی۔

☆☆☆

کہنے کو تو اس وقت کہہ دیا تھا لیکن جب کاشف کے نکاح کے لیے تیار ہونے کے لیے الماری کھولی تو ایک بھی سوٹ اس قابل نہیں لگا جو وہ اپنے اکلوتے بھائی کے نکاح پر پہن کر جاتی۔

دو "قابل غور" جوڑوں کو الماری سے نکال کر اپنے سامنے کیے الٹ پلٹ رہی تھی جب سبگلین نے الماری کھول کر ایک شاپر اس کی طرف بڑھایا۔

"بڑے بڑے ڈائیلاگ بولنے سے پہلے اگر لمحہ بھر کے لیے سوچ بچار کر لی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔"

آرام سے کہتا وہ ڈریسنگ کے آئینے میں کھڑے ہو کر بال بنانے لگا تھا۔

سفید کاٹن کے کلف لگے شلوار قمیص میں آستینیں موڑے، پاؤں میں سیاہ پشاوری جوتے پہنے، نئے کٹنگ کیے بالوں کو سلیقے سے جماتا وہ سر سے پاؤں تک شاہکار تھا۔

"تیار ہو کر باہر آجاؤ ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔"

برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے وہ اس کی طرف پلٹا تھا۔ شہوار نے فوراً نگاہوں کا زاویہ بدلا اس کے باہر جانے کے بعد شاپر کھولا۔ سرخ رنگ کا شیفون کا خوب صورت سا سوٹ جس پر کالے دھاگوں اور شیشے سے کام کیا گیا تھا۔

وہ ہمیشہ سیاہ، سرمئی اور ٹیالے سے رنگ پہنے رکھتی پہلی بار اتنا الگ اور کھلتا ہوا رنگ پہنا تو بہت عجیب سا محسوس ہوا۔

پھپھو نے دیکھتے ہی اس کی بلائیں لی تھیں۔

جبکہ وہ بے نیاز سا موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگا۔

شہوار کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا تھا۔ وہ ٹیالے

رنگ پہنے یا دھانی رنگ اوڑھے اس کی نظروں میں کبھی نہیں جچ سکتی۔

اماں کے گھر رائل بلو ساڑھی کے ساتھ ہم رنگ اسٹون کا نیکلس پہنے صدف پر پہلی نگاہ پڑتے ہی وہ کہیں پس منظر میں چلی گئی تھی۔

اونچی نازک ہیل نے اس کی دراز قامت کو مزید نمایاں کر دیا تھا۔

''اب بھی اگر تم نہ پہنچتیں تو میں اپنا نکاح کینسل کرنے لگا تھا۔'' سفید سوٹ پر سیاہ جیکٹ کو درست کرتے کاشف نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

نکاح پر صرف قریبی رشتہ داروں کو ہی مدعو کیا گیا تھا۔ شرماتی، جھجکتی نگین کو کاشف کے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔ ان لوگوں پر خرچے کا اضافی بوجھ نہ پڑے یہی سوچ کر ابا نے کھانے کا انتظام اپنی طرف سے کیا تھا۔

''مبارک ہو! سنا ہے، بہت کامیابیاں سمیٹ رہے ہو؟'' ساڑھی کی فال درست کرتی صدف آبگینے کی طرف چلی آئی تھی۔

''دعائیں ہیں، چاہنے والوں کی۔'' کمر کے پیچھے ہاتھ باندھے وہ مسکرایا تھا۔

''اتنا یقین ہے؟'' صدف نے بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں پھیلائیں۔

''بالکل! یقین کے ستونوں پر ہی تو ساری عمارت کھڑی ہے۔ اعتبار، اپنائیت اور محبت کی۔''

قدرے فاصلے پر دادی کے ساتھ صوفے پر بیٹھی شہوار کی نگاہ بار بار بھٹک کر ان دونوں کی طرف اٹھ جاتی۔ کتنا کم مسکراتا تھا آبگینے شاید ہفتے میں ایک آدھ بار اور آج...... اس نے پہلی بار اسے یوں کھل کر مسکراتے ہوئے دیکھا تھا دادی نے اس کا بازو ہلایا تو وہ چونکی۔

''آہاں دادی؟''

دادی نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ ''اے ہے دھیان کدھر ہے تیرا؟ میں پوچھ رہی تھی شمسہ کی پھپھی ساس کاشف کے کان میں کیا کھسر پھسر کر رہی تھی۔ تو تو اس وقت قریب کھڑی تھی نا اس کے؟''

''پتا نہیں دادی! میں نے دھیان نہیں دیا۔'' دادی سخت بدمزہ ہوئی پہلو بدل گئیں۔ وہ دادی کو کیا بتاتی اس کا دھیان کس طرف تھا؟

رات کو جب پھپھو اور آبگینے جانے کے لیے تیار کھڑے تھے تب اس نے کہا۔

''میں آج رات یہیں رکوں گی۔''

پھپھو نے خوش دلی سے اجازت دے دی تھی۔ آبگینے خاموش رہا۔

''اچھا ہے پھر میں بھی آج یہیں رک جاتی ہوں۔'' صدف نے بھی اچانک فیصلہ سنا دیا۔ اور ڈرائیور کو کال کر کے واپس جانے کا کہا۔

☆☆☆

''سنو! آبگینے کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟''

وہ چائے بنا کر کمرے میں آئی تو صدف نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کریدنے والے انداز میں اس سے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' شہوار نے مختصر جواب دیا۔

''اچھا؟ مجھے تو کچھ ٹھیک نہیں لگا۔''

''مطلب؟'' کپ منہ سے لگاتے لگاتے اس نے ہٹا کر پوچھا۔

''مطلب صاف۔ جن حالات میں تمہاری شادی ہوئی اس نے اپنی ماں کا ٹوٹا ہوا دل پھر سے جوڑنے کے لیے زبردستی اس رشتے کے لیے ہامی تو بھر لی تھی۔ لیکن کسی اداس شام میں اپنے ٹوٹے دل پر ماتم بھی تو کرتا ہوگا؟''

صدف صاف گو زیادہ تھی یا بے رحم؟ وہ اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔

''اس نایاب کو تو تم نے دیکھ رکھا ہے نا؟ نہ تھا نہ مثال۔ کیا وہ اس قابل ہے میری برابری کر سکے؟ لیکن وہ شاہ ویز جو کل تک میرے لیے اتنا ڈولا ہوا پھر رہا تھا آج اس کے دل میں اپنی بچپن کی منگیتر کی محبت پھر سے انگڑائی لے کر جاگ گئی ہے۔''

''سارے مرد ایک جیسے تو نہیں ہوتے؟''

چائے کے اوپر بھی سیاہ تہ کو گھورتی وہ آہستہ سے

گویا ہوئی۔ صدف نے سر جھٹکا۔

"تم بہت معصوم ہو شہوار! تمہیں نہیں پتا اندر سے یہ سارے مرد ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ خود غرض اور انا پرست۔ ایسے معاملات میں ان کی غیرت ویسے ہی جوش مارنے لگتی ہے۔"

"بچپن کی منگیتر"

جن سوچوں نے شہوار کو عرصے سے سولی پر چڑھا رکھا تھا آج صدف انہیں کھول کھول کر اس کے سامنے پڑھ رہی تھی۔

"اور یہ سبکتگین تو شروع سے ہی اپنی ذات کے زعم میں مبتلا رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے پھپھو کے آنکھیں بند کرتے ہی یہ تمہیں کسی طوق کی طرح اپنے گلے سے اتار پھینکے گا۔ یہ انتہا درجے کی خود غرضی نہیں تو کیا ہے محض اپنی ماں کی خوشی اور اطمینان کے لیے وہ تمہاری زندگی ضائع کر رہا ہے۔"

ٹھنڈی پڑتی چائے کے کپ پر شہوار کی انگلیوں کی گرفت سخت پڑنے لگی تھی۔

"میری مانو تو ابھی سے اپنے بارے میں کوئی فیصلہ لے لو۔ اس سے پہلے کہ سبکتگین کوئی انتہائی قدم اٹھائے تمہاری رہی سہی عزت نفس کو بھی کچل دے۔"

"پلیز صدف! میں اب سوؤں گی۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔"

کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھتی وہ منہ تک چادر تان کر لیٹ گئی تھی۔

صدف گہری سانس کھینچتی اٹھ کر باہر آ گئی۔ وہ خود نہیں جانتی تھی اس نے یہ سب شہوار سے کیوں کہا۔ سبکتگین کو اس نے چھوڑ دیا تھا...... اسے تو اتنی خوب صورت منگیتر کے ٹھکرائے جانے کا روگ لگ جانا چاہیے تھا۔ کجا کہ وہ شہوار کے ساتھ مطمئن زندگی گزارے...... اور سبکتگین بھی تو اب پہلے والا سبکتگین نہیں رہا تھا۔ غریب مجبور اور بے روزگار سا سبکتگین......

کامیابی اور معاشی آسودگی نے جس کی شخصیت کو مزید باوقار بنا دیا تھا۔

شاہ ویز تو اس کے پاسنگ بھی نہیں تھا۔ وہ حسین تھی اور حسن پرست بھی۔

شاہ ویز کی دولت کا نشہ آہستہ آہستہ اترنا شروع ہو گیا تھا۔ اوپر سے اس کی دل پھینک فطرت۔

"اوور صدف! تمہاری عجلت پسندی تمہیں لے ڈوبی۔"

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

☆☆☆

صدف صبح سویرے ہی بغیر ناشتا کیے واپس چلی گئی تھی۔ شہوار سست قدموں سے چلتی ابا کے کمرے میں آ گئی۔

اماں ابا اس کے انتظار میں بیٹھے انہوں نے ابھی تک ناشتا شروع نہیں کیا تھا۔ ان کے کمرے میں آہستہ آواز میں نو بجے کا نیوز بلیٹن چل رہا تھا۔

وہ خاموشی سے ان کے ساتھ ناشتا کرنے لگی۔

نیوز کاسٹر اب کسی نامور شخصیت کی بائیوگرافی پر روشنی ڈالتا بتا رہا تھا کیسے اپنی راہ کے کانٹے چن کر انہوں نے اوج کمال تک رسائی حاصل کی تھی۔

ابا نے اس کا خاموش دمکتا ہوا چہرہ دیکھا۔

"جانتی ہو در شہوار! صفر سے اپنا سفر شروع کرنے والا جب سو تک پہنچتا ہے تو اس کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ اپنے اس پہلے ہم قدم کو فراموش کر دے۔ جس نے راہ کی ہر صعوبت اس کے ساتھ مل کر جھیلی تھی۔"

"جی ابا! ایسا ہی ہے۔"

کتنے معصوم تھے ابا۔ اگر وہ اس کا چہرہ پڑھ کے اندرونی حال کا اندازہ لگائے اس کی ہمت بندھا رہے تھے تو اس نے بھی ان کا دل رکھنے کی خاطر بغیر کسی بحث کے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

ناشتے کے برتن اٹھا کر کچن میں دھو کر انہیں جگہ پر رکھتی وہ بالکنی میں آ گئی۔ گیلری کی کھڑکیاں کھول کر جھانکا آب خورے خشک ہو چکے تھے۔

نجانے کتنے عرصے سے ان میں پانی نہیں ڈالا گیا تھا۔ بادلوں نے بھی تو روٹھ کر دوبارہ یہاں کا رخ نہیں کیا تھا۔

وہ کٹوریاں پانی سے لبالب بھرنے لگی۔ مجبوری

چڑیاں اتر کر کنالیوں میں چونچیں مارنے اور ڈبکیاں لگانے لگیں۔ وہ ان کی خوشی دیکھ کر مسکراتے ہوئے دادی کے پاس آ بیٹھی۔

"شہوار! آج تم رکو گی بیٹا؟"

دادی شاید اس کے جانے کے بارے میں پوچھنا چاہ رہی تھیں۔

"نہیں دادی! کاشف اٹھے تو اس سے کہوں گی چھوڑ آئے گا۔"

دادی کو یہی سننا مقصود تھا۔

☆☆☆

سبگلین عجلت میں اپنا لیپ ٹاپ گھر پر ہی بھول گیا تھا۔

شہوار نے کچھ سوچ کر دھڑکتے دل کے ساتھ لیپ ٹاپ کھول لیا۔ اسے پکا یقین تھا رات کو اسے بے خبر سوتا پا کر وہ لیپ ٹاپ کے کسی خفیہ فولڈ میں صدف کی تصویر لگائے چپکے سے اپنا کام نمٹا کرتا ہوگا۔

اسے حیرت ہوئی لیپ ٹاپ پر کوئی پاس ورڈ نہیں لگایا گیا تھا۔ شاید اسے پاس ورڈ لگانے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

اس نے تمام فولڈرز حتیٰ کہ گیلری تک چھان ماری کہیں کوئی تصویر نہیں تھی بلکہ سارے فولڈرز اس کے کام سے متعلق معلومات سے بھرے ہوئے تھے۔

شہوار نے احتیاط سے لیپ ٹاپ بند کیا اور اٹھ کر باہر پھپھو کے پاس آ گئی۔ جو اس کے بغیر بہت اداس اور اکیلی ہو گئی تھیں۔ اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔ سبگلین گھر کی جدید طرز پر از سر نو تعمیر کروا رہا تھا۔

"دو ماہ تک کا ٹھیکہ دیا ہے۔ تب تک آپ دونوں ماموں کے ہاں رہ لیں۔ مجھے ویسے بھی اکیڈمی کے کچھ کاموں کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہے۔"

پھپھو نے خوشی خوشی شہوار کو اپنا بیگ تیار کرنے کا کہا۔

اماں اور دادی کی خوشی دیدنی تھی۔

"سبگلین کا ارادہ تھا یہ گھر بیچ کر کسی دوسرے اچھے علاقے میں نیا گھر لے لیتے ہیں۔ لیکن میرا دل نہیں مانا۔ عجیب سی انسیت ہو گئی ہے یہاں کی زمین سے....." شہوار چائے بنانے کے لیے کچن میں چلی گئی۔

واپس آئی تو پھپھو کہہ رہی تھیں۔

"یہ سب میری شہوار کا نصیب ہے۔ اس کے قدم رکھتے ہی میرے بیٹے کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔"

پھپھو کتنی خوش امید تھیں اور خوش گمان بھی..... شہوار نے سوچا۔

اماں کو مارکیٹ جانا تھا۔ اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔

"اچھا ہے موسم کی کچھ شاپنگ کر لینا۔" پھپھو نے پیسے اس کے ہاتھ پر رکھے۔

"میرے پاس ہیں پھپھو۔"

"تمہارے میاں کی کمائی ہے میں کون سا اپنے پلے سے دے رہی ہوں۔"

وہ شگفتہ لہجے میں بولی تھیں۔

اماں نے گھر کی چند ایک ضروری اشیاء خریدیں اس نے اپنے لیے لیلن کے سوٹ لیے دو پھپھو کے لیے بھی لے لیے۔ ایک وائٹ ٹی شرٹ اور ڈارک بلو لائننگ والی فل سلیوز شرٹ کو دیکھ کر بے ساختہ اس کا دل چاہا سبگلین کے لیے خرید لے۔ لیکن اس نے اسے ایسا کوئی حق دیا ہی نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے گفٹ لیتی پھرے۔ افسردگی سے اس نے دونوں شرٹس واپس رکھ دی تھیں۔

واپسی پر رکشے کا ڈنڈا پکڑے وہ اردگرد سے گزرتے مناظر دیکھنے میں مگن تھی کہ اچانک چونک کر سیدھی ہوئی۔ بلا ارادہ رکشے والے کو روکنے کا کہا۔

"اماں! میں ابھی آتی ہوں صرف پانچ منٹ میں۔"

ٹریفک کے بے ہنگم شور سے قدرے ہٹ کر اس شاندار سی عمارت کے ماتھے پر "روشن سویرا اکیڈمی" کا نام جگمگا رہا تھا۔ کچھ سوچ کر وہ اندر چلی آئی۔ اس نے سبگلین کی اکیڈمی، اس کے کمپیوٹر سینٹر اور سیٹ کیفے کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا لیکن اسے اندازہ نہیں تھا اس نے سب کچھ اتنے اعلیٰ اور بہترین انداز میں سیٹ

کر کہا تھا۔
"ارے بھابھی! آپ....."
یہ محمود تھا سبگتین کا بے حد قریبی دوست۔ چند ایک بار کام کے سلسلے میں سبگتین کے ساتھ گھر بھی آچکا تھا۔ شہوار پر نگاہ پڑتے ہی کرسی کھسکائے اٹھ کر فوراً اس کی طرف آیا تھا۔
"سبگتین تو لاہور گیا ہوا ہے نا؟"
وہ تو اس کے طرز مخاطب "بھابھی" سے ہی ابھی نہیں سنبھلی تھی کہ اس کے سوال پر گڑبڑا گئی۔
"جی..... جی میں بس یہاں سے گزر رہی تھی تو سوچا دیکھتی چلوں....."
ہال میں موجود اسٹوڈنٹس اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔
"یہ سر سبگتین کی وائف ہیں۔"
محمود کے تعارف کروانے پر بہت سے لبوں سے حیرت نما چیخ بلند ہوئی تھی۔
"اوہ..... واؤ..... از سو گارجیس....."
"پتا ہے میں اکثر سوچا کرتی تھی وہ کون خوش نصیب ہیں جنہیں سر سبگتین جیسے بہترین انسان کی لائف پارٹنر ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔"
سبگتین کے بارے میں اس نے ملتے جلتے ڈھیر سارے تعریفی کلمات سن کر اسے اندازہ ہوا طلبہ اپنے سر سبگتین سے کس قدر والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔
پروفیشن مین..... ایک آئیڈیل شخصیت.....
شہوار کے دل کی حالت عجیب ہونے لگی تھی۔
ایک بھیگی نم مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔

☆☆☆

صدف کا شاہ ویز سے زور دار جھگڑا ہوا تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے رسی تڑانے کے بہانے ڈھونڈنے لگے تھے۔
"اس نے سمجھ کیا رکھا ہے مجھے کہ وہ جو مرضی میرے ساتھ سلوک کرتا رہے اور میں چپ بیٹھی رہوں گی۔ بھول ہے یہ اس کی....."
بیگ لاکر صحن میں بیٹھتے ہوئے وہ دادی کے ساتھ ان کے تخت پر دھپ سے آبیٹھی تھی۔
"ہوا کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔" اماں کا دل ڈھیر سارے وسوسوں میں گھرنے لگا۔
"وہ چاہتا ہے میں بوتیک چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤں۔"
"تو اس میں کیا برائی ہے؟ اکثر مردوں کو پسند نہیں ہوتا کہ ان کی بیوی باہر جا کر نوکری کرے۔ جب کہ گھر بیٹھے وہ تمہاری ساری ضروریات پوری کر سکتا ہے تو....."
"اوہو دادی! آپ سمجھ نہیں رہیں۔ مجھے گھر میں قید کر کے خود اپنی اس بچپن کی منگیتر کے ساتھ آزادی سے گھومے اڑانا چاہتا ہے۔ اگر مجھے گھر بیٹھ کر روٹیاں ہی تھاپنی تھیں تو سبگتین کیا برا تھا؟"
شہوار نے بے ساختہ پھپھو کی طرف دیکھا۔
"جذبات میں آکر اپنا گھر خراب مت کرو صدف! کچھ دن اس کی مان کر گھر بیٹھ جاؤ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو ذرا تحمل سے اپنی بات منوا لینا۔"
اماں رسانیت سے بولتی اس کے پاس آبیٹھی تھیں۔
"تحمل ہونہہ! بہت برداشت کر لیا ہے میں نے اب اور نہیں۔ میں تنگ آگئی ہوں اس آدمی کے روز روز کے نئے مطالبوں سے، ادھر ماں چابی بھرتی ہے ادھر یہ دندناتا ہوا میرے سر پر پہنچ جاتا ہے۔ جیسے میں کوئی ان کی زر خرید غلام ہوں یا پھر بھاگ کر اس کے ساتھ اس گھر میں آئی تھی۔"
جب عزت نفس پر چوٹ لگتی ہے تو انسان یوں ہی بلبلا اٹھتا ہے۔
ایک زخم خوردہ مسکراہٹ ابا کے بند ہونٹوں پر کرلائی تھی۔
"یہ راستہ تم نے خود منتخب کیا تھا۔"
"میں مانتی ہوں میرا فیصلہ غلط تھا۔ لیکن اب میں مزید وہاں نہیں رہ سکتی۔ میں خلع لوں گی شاہ ویز سے....."
اس نے آہم سے ایک بار پھر سب کے سروں

پر بم پھوڑا تھا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا؟ شادی کو کھیل، مذاق سمجھ رکھا ہے تم نے؟ جب موڈ ہوا کھیل لیا جب موڈ بگڑا سب ختم....."

ابا زور سے چلائے تھے۔ سانس الجھا، گردن کی رگیں پھولنے لگیں۔ شہوار اٹھ کر ان کی پیٹھ سہلانے لگی تھی۔

"سمجھاؤ اسے اپنی اور ہماری زندگی کو تماشا بنانے کا خیال دل سے نکال دے۔" ابا بمشکل بول پائے تھے۔ اور یہ تو شہوار بھی جانتی تھی وہ در صدف تھی اسے کوئی بھی نہیں سمجھا سکتا تھا۔ جو ٹھان لیتی وہ کر کے ہی دم لیتی۔

اس نے شادی سے خلع لے لی تھی۔

☆☆☆

گھر کا کام مکمل ہوتے ہی سبگتین انہیں لینے آگیا تھا۔

صدف عدت میں تھی۔ اس نے کمرے کی کھلی کھڑکی سے جلتی ہوئی آنکھوں سے سبگتین کے قدم سے قدم ملا کر چلتی شہوار کو دیکھا تھا۔ ان کے باہر نکلتے ہی کھٹاک سے کھڑکی بند کردی۔

شہوار کو لگا شاید سبگتین انہیں غلطی سے کسی اور جگہ لے کر آگیا ہے۔ گھر کا تو نقشہ ہی بدل چکا تھا۔

اکھڑے فرش اور سیلن زدہ دیواروں والے اس بوسیدہ سے گھر کی جگہ پر جدید طرز پر بنا شاندار سا بنگلہ نما گھر دیکھ کر پھپھو نے اندر آتے ہی سب سے پہلے شکرانے کے نفل پڑھے تھے۔

وہ گھر میں قرآن خوانی اور دعوت رکھوانے کے بارے میں شہوار سے مشورہ کرنے لگیں۔ وہ بجھے دل سے مسکراتی ان کی ہاں میں ہاں ملاتی رہی۔ ایک کسک سی تھی جو اسے خوش نہیں ہونے دیتی تھی۔ ایک خوف سا دامن گیر تھا۔

سبگتین نے کہا تھا جب وقت آئے گا وہ اپنا من پسند فیصلہ کرے گا۔ اور شہوار کو لگا وہ وقت اب آگیا ہے۔

☆☆☆

قرآن خوانی کے بعد کھانا کھول دیا گیا تھا۔

بریانی، قورمہ اور زردے کی دیگ سے ڈھکن اٹھے تو چاروں اور اشتہا انگیز مہک پھیل گئی تھی۔ شہوار کھانے کے بعد پڑوس اور خاندان کی عورتوں کو رخصت کرنے دروازے تک خود آئی تھی۔

صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی صدف کی تمام تر توجہ کا مرکز سبگتین ہی تھا۔ سرمئی رنگ کے شلوار قمیص میں ہمیشہ کی طرح آستین موڑے، وہ ادھر ادھر دیکھے بنا لاؤنج میں دادی کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

مہمانوں کے جانے کے بعد شہوار سب کے لیے چائے بنانے کے لیے اٹھ رہی تھی کہ پھپھو نے نرمی سے ٹوک دیا۔

"تھک جاؤ گی بیٹا! دو منٹ آرام سے بیٹھ جاؤ ذرا چائے بھی پی لیں گے۔"

"میں چائے لے آؤں پھر بیٹھی رہوں گی آرام سے کیوں ابا؟"

"بالکل!" ابا خوش گواریت سے مسکرا دیے تھے۔

"اب تو صدف کی عدت ختم ہوگئی ہے کیا سوچا ہے آگے کے بارے میں؟" پھپھو کے پوچھنے پر اماں دل گرفتی سے کہنے لگیں۔

"نادرہ آپا اپنے بھائی وجاہت کے لیے کہہ رہی ہے۔ اچھا خاصا الیکٹرونک کا اپنا کاروبار ہے اس کا کوئی لمبی چوڑی سسرال کا جھنجٹ بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ مانے تب نا؟"

صدف کی طرف دیکھا تو اس نے ایک نظر لاؤنج میں موجود نفوس پر ڈالی اور آرام سے بولی۔

"شادی ہی کرنی ہے تو پھر ایرا غیر کیوں؟ سبگتین کیوں نہیں؟"

شہوار کے ہاتھوں سے چائے کی ٹرے گرتے گرتے بچی تھی۔ ایکدم چھائے لاؤنج کے سناٹے میں کیوں کے آپس میں ٹکرانے کی آواز گونجی تھی۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے ٹرے میز پر رکھی۔

"یہ کیا بکواس ہے؟"

سب سے پہلے ابا کا سکتہ ٹوٹا تھا۔
"سبکتگین کا اس سب میں کیا ذکر؟" وہ زور سے دھاڑے تھے۔
"وہ اب شادی شدہ ہے۔ شوہر ہے تمہاری بہن کا۔" پھر سے کھانسی کا پھندہ لگ گیا۔
شہوار کے اندر اتنی بھی ہمت باقی نہیں رہی تھی کہ اٹھ کر ابا کی پیٹھ ہی سہلا سکے۔ جبکہ صدف ان کے غصے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بے خوفی سے کہہ رہی تھی۔
"کیسی شادی اور کیسا شوہر ابا؟ سبکتگین نے صرف پھپھو کی خاطر مجبوری میں شہوار کے ساتھ شادی کی تھی۔ یہ اسے کبھی خوش نہیں رکھ سکتا۔ اور شہوار نے بھی تو صرف آپ کے حکم پر سر جھکایا تھا۔ پوچھیں اس سے کیا یہ خوش ہے اس روکھی پھیکی غیر فطری زندگی سے؟ اور سبکتگین بھلا کب تک اس زبردستی کے تعلق کو نبھائے گا؟"
شہوار نے پتھرائی آنکھوں سے خاموش بیٹھے سبکتگین کی طرف دیکھا تھا۔
"تو کیا وہ لمحہ آن پہنچا ہے؟"
ادھر صدف بے دردی سے کہہ رہی تھی۔ "سارا قصور آپ کا ہے ابا! میں نے جذبات میں آ کر انکار کر دیا تو آپ نے فوراً شہوار کی شادی اس سے کروا دی۔ آپ کو تھوڑا انتظار کرنا چاہیے تھا۔ آپ کی عجلت نے ہم تینوں کی زندگی برباد کر دی ہے۔"
"بے حیا، بے غیرت......" اماں اسے مارنے کے لیے اٹھی تھیں کہ دادی نے بازو پکڑ کر روک لیا۔
"یہ بے وقوف تو کچھ کہے گی نہیں تم بولو سبکتگین! بتاؤ ان سب کو کہ تم اب مزید ان چاہی زندگی کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے۔"
شہوار کا جی چاہا وہ وہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے لیکن قدم اپنی جگہ سے ہلنے سے انکاری تھے۔ البتہ سبکتگین اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
"تمہیں ضرور کوئی شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے صدف! تمہیں یہ کیوں لگا کہ میں ایک ان چاہی زندگی گزار رہا ہوں؟ مجھ سے پوچھو تو شاید ہی اس روئے زمین پر کوئی مجھ سے بڑھ کر خوش نصیب ہو جسے دکھ سکھ میں ساتھ نبھانے والی وفا شعار بیوی ملی ہے۔
بلکہ میں تو ماموں کا شکر گزار ہوں کہ ان کے عجلت میں کیے گئے فیصلے نے میری زندگی سنوار دی۔ در جیسی لڑکی کا میری زندگی میں شامل ہونا کسی معجزے سے کم تو نہیں......؟"
سبکتگین سکون سے بول رہا تھا اور صدف پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔ اور ساکت بیٹھی شہوار کو لگا آج اس کا دل بند ہو جائے گا۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آیا تھا۔ شہوار دھواں دھار رونے میں مصروف تھی۔ اس کے آنے پر بھی کوئی نوٹس نہیں لیا۔
"جب رونے کا شغل پورا ہو جائے تو دو منٹ کے لیے میری بات سن لینا۔"
سبکتگین کے کہنے پر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا سر گھٹنوں سے اٹھایا تھا۔
"میری زندگی کو تماشا بنانے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔"
"خیر، حق تو میں سارے ہی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہوں۔ کبھی جتایا نہیں یہ اور بات ہے۔"
رونے سے لال ٹماٹر ہوتا چہرہ مزید سرخ ہوا تھا۔
"بہر حال میں نہیں جانتی سب کے سامنے صدف سے جھوٹ بولنے کے پیچھے آپ کی کیا سوچ کارفرما تھی لیکن میں......"
"وہ بالکل بھی جھوٹ نہیں تھا۔"
اس کی بات کاٹ کر وہ آرام سے بولا تھا۔ شہوار دونوں بھنویں اچکائے اسے دیکھنے لگی۔
"آپ مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے؟"
"بالکل نہیں بنا سکتا۔"
سبکتگین نے سعادت مندی سے اس کی بات سے اتفاق کیا۔
"اب بنے ہوئے پر کون خوامخواہ محنت کرے۔"
اس کے متبسم انداز پر وہ بیڈ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ سبکتگین نے ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بٹھا دیا اور خود اس کے بالکل عین سامنے بیٹھ گیا۔

"آج تو آپ کو اپنا من پسند فیصلہ کرنے کا پورا موقع فراہم کیا گیا تھا۔ صدف سے محبت کرتے ہیں تو پھر اس کا ہاتھ کیوں نہیں تھام لیا؟"

لہجہ ایک بار پھر گلوگیر ہوا تھا۔

"اس کا ہاتھ تھام لیتا تو تمہارا کیا ہوتا؟"

اس کی روتی روتی گلابی آنکھوں میں جھانکتا وہ پوچھ رہا تھا۔ شہوار نے نگاہ چرائی، سبکتگین نے اسے مزید تنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

"تمہیں کس نے کہا میں صدف سے محبت کرتا ہوں؟"

"کیا نہیں کرتے؟"

"بالکل نہیں، نہ آج نہ پہلے کبھی۔" وہ تیقن بھرے لہجے میں بولا۔

"تمہیں شاید یقین نہ آئے لیکن میری پہلی محبت تم ہی تھیں۔ میں نہیں جانتا یہ سب کب اور کیسے ہوا۔ شاید تب جب تم پھولدار فراک پہنے ہمارے گھر کے آنگن میں جامنیں چننے کے لیے ٹوکری اٹھائے بھاگتی پھرتی تھیں یا پھر تب جب میں تمہارے گھر آتا تو تم ہوم ورک کرتے اپنی کاپی پنسل پھینک کر "کین آگیا" کہتی بھاگتی ہوئی پانی کا گلاس میری طرف بڑھاتیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میرے دل میں خاموشی سے پنپتا یہ جذبہ پروان چڑھتا گیا۔

اماں نے میرے علم میں لائے بغیر ماموں سے صدف کے لیے کہہ رکھا تھا۔ اور جب مجھے معلوم ہوا تب مشقتیں جھیلتی اپنی بیمار ماں کو انکار کرنے کی خود غرض ہمت میں اپنے اندر پیدا نہیں کر سکا۔

ویسے بھی میرے دل میں تمہارے لیے فیلنگز یک طرفہ تھیں۔ تم نے تو مجھے ہمیشہ صدف کے حوالے سے ہی دیکھا تھا۔ لیکن یقین جانو ڈیئر! میں نے بھی اسے اس نظر سے دیکھا ہی نہیں۔ اماں کی خواہش پر اس سے شادی ہو جاتی تو اچھا، نہیں ہوئی تو بہت ہی اچھا۔"

وہ مدھم گھمبیر لہجے میں بولتا خاموش ہوا تو شہوار نے جیسے ایک ٹرانس کی سی کیفیت میں گہری سانس اپنے اندر اتاری۔

"آپ نے مجھے بے وقوف کہا۔"

خود پر بھی اس کی کمزور نگاہوں سے بددل ہوتی وہ فوراً ایک اور نقطہ ڈھونڈ لائی۔ ورنہ سبکتگین کے منہ سے اظہار سننے کے بعد تو اس کے جلتے الجھتے دل پر ٹھنڈی پھواریں پڑنا شروع ہو گئی تھیں۔

"تم بھی تو مجھے سڑیل اور نجانے کیا کچھ کہتی رہتی تھیں؟"

سبکتگین نے آستینیں مزید اوپر چڑھا لیں۔ شہوار سٹپٹا گئی۔

"آپ نے ہمیشہ میری دل آزاری کی۔ کبھی مجھے اپنائیت کا احساس نہیں دلایا۔"

قدرے پیچھے کو کھسکتے ہوئے بیزاری سے ایک اور شکوہ برآمد کیا۔

"تم نے بھی تو چپکے چپکے میرے لیپ ٹاپ کی تلاشی لی اور تو اور میری غیر موجودگی میں اکیڈمی میں چھاپہ تک مارنے پہنچ گئیں۔ میں نے کچھ کہا؟"

اور تو وہ بے خبر نہیں تھا۔ سب جانتا تھا۔ شہوار نے جیسے ہار مانتے ہوئے نثار ہوتی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو قدرت نے بن مانگے ہی اسے عطا کر دیا تھا۔

"کوئی اور فرد جرم عائد کرنی ہے تو وہ بھی بتا دو۔ یا پھر میں خود کو عدالت عظمیٰ سے باعزت بری سمجھوں؟"

اس کے انداز پر شہوار کو ہنسی آگئی۔

"اچھا اٹھو منہ دھو کر آؤ آج اماں کے کہے بغیر تمہارے لیے بشیرے کی بریانی اور چھولے لے آیا ہوں۔"

مزے سے دونوں ہاتھ رگڑتا وہ اٹھ کر شاپر کھولتا بریانی پلیٹ میں نکالنے لگا تھا۔ شہوار سرشاری وہاں سے اٹھ گئی۔ سجدہ شکر بھی تو بجا لانا تھا۔

☆☆

Nadia Majid ❤